ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

6

www.tanzeem.org

4 تا 10 ربیع الاول 1432ھ/ 8 تا 14 فروری 2011ء

ظہورِ نبویؐ اور نویدِ امن

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿......وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف:157)

اس آیت کا مقصد و نتیجہ کیا ہے؟ پہلے تم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "اصر" کے معنی کیا ہیں۔ عربی میں "اصر" کے معنی بوجھ کے ہیں۔ معمولی قسم کا بوجھ نہیں بلکہ ایسا ناقابل برداشت بارِ شدید جو کسی کو تہ کر دے۔

غور کرو! قبل ظہور اسلام کیا اقوام عالم کی بالکل یہی حالت نہ تھی؟ قبل بعثت کیا انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے، ان کے پاؤں میں قسم قسم کی بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں؟ نسل انسانی کیا رنگ رنگ کی جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی نہ تھی، ایسی کہ ان کی کمریں دوتہ ہوئی جاتی تھیں اور اس وقت انسانی کاندھوں پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے کیا اُنہوں نے ان کی زندگی کو تلخ نہیں بنا ڈالا تھا؟ قانون کے جو پھندے ان کی گردنوں میں، مذہبی آستانوں کے جو حلقے ان کے جسموں میں لپٹے ہوئے تھے، کیا ان سے ان کی جسمانی و روحانی تسکین پامال نہیں ہو رہی تھی؟ ہاں ایسا ہی تھا۔ اس وقت کی صدہا اقسام کی مذہبی و قانونی جکڑ بندیاں ایک لعنت بن کر نسلِ انسانی و نوعِ بشری کے ساتھ چپک گئی تھیں اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا بھی خون ہو رہا تھا...... عین اسی عالم یاس و آہ میں سرزمین مکہ سے ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبانِ نجات کے لیے وجہِ نجات ثابت ہوتی ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا۔ کیا اعلان؟ اعلان کہ ایک ہستی آئی ہے۔ کیوں آئی ہے؟ کرۂ ارضی پر بسنے والی نوعِ انسانی کے لیے پیامِ رحمت لے کر، زمین کی پیٹھ پر، اس طبقہ انسانی کے لیے، جس کی گردنوں میں ظالمانہ قانون کے پھندے اور پاؤں میں بے رحمانہ احکام کی بیڑیاں، کندھوں پر مصائب و آلام کے اور مشقت و مصیبت کے ناقابل برداشت بوجھ لدے ہوئے ہیں، پیغام آزادی لے کر، ہر اس کمر کے لیے جو بوجھ سے دوتہ اور ہر اس گردن کے لیے جو طرح طرح کی ظالمانہ جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی ہے، نویدِ امن لے کر آئی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

اس شمارے میں

الیکٹرانک میڈیا کی آمریت

تکمیل و ختم نبوت کے مظاہر

ثعلبہ کا قصہ اور مسلمانانِ پاکستان

فلسفہ دین میں نبوت و رسالت کا مقام و مرتبہ

اصطلاحات کی جنگ

کوڑا پھینکنے والی عورت اور قانون ناموس رسالت

اُن کے بس کا روگ نہیں

فاشسٹ، شدت پسند

الھدیٰ (450)

سورۃ التوبہ

(آیات: 86 تا 90)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٨٦ رَضُوْا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٨٧ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨٨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٨٩ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٩٠

’’اور جب کوئی سُورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو، تو جوان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے ہی دیجئے کہ جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی ان کے ساتھ رہیں۔ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن پیغمبرؐ اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مال اور جان سے لڑے۔ انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مُراد پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور صحرانشینوں میں سے بھی کچھ لوگ عُذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس) آئے کہ ان کو بھی اجازت دی جائے۔ اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے۔ سو جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ان کو دُکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔‘‘

یہ منافقین پر ایک طرح کا طنز ہے۔ جنگ کرنا تو مردوں کا کام ہے اور خواتین پیچھے گھروں میں رہ جاتی ہیں تو جو لوگ رخصت مانگ رہے ہیں، انہوں نے اپنے لیے عورتوں کا مقام پسند کیا۔ اس پر اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے۔ اب وہ سمجھ نہیں سکتے۔

اس کے برعکس اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں، خوبیاں اور اچھا اجر ہے اور یقیناً یہی لوگ فلاح پانے والے اور منزل مراد تک پہنچنے والے ہیں۔ (فلاح کا لفظ بڑا اہم ہے۔ سورۂ مومنون کے آغاز میں ان شاء اللہ اس پر تفصیلی بحث ہو گی۔) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے وہ باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

جنگ تبوک کے موقع پر جہاد میں شرکت کے لیے نفیر عام تھی۔ سب کو چلنا تھا۔ یہ حکم مدینے کے آس پاس دیہاتوں میں رہنے والوں کو بھی تھا۔ چنانچہ آپؐ کے پاس علاقے کے بدّو بھی بہانے بنا بنا کر رخصت طلب کرنے لگے، تاکہ اُنہیں بھی اجازت دے دی جائے اور جہاد پر جانے سے مستثنٰی ہو سکیں۔ اور وہ لوگ جو بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولا اُن کے وہ وعدے جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کئے تھے وہ جھوٹ نکلے۔ ان میں سے جو لوگ کفر پر اڑ جائیں گے یا جو لوگ فی الواقع کفر کی حد کو پہنچ گئے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرمان نبویؐ

اچھا اور برا انسان کون؟

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ ؓ قَالَ : اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ)) قَالَ فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: ((مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ)) (رواہ الترمذی)

حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! سب سے اچھا انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو۔‘‘ پھر اُس نے پوچھا، سب سے بُرا انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جس نے عمر لمبی پائی اور برے اعمال میں مبتلا رہا۔‘‘

تشریح: لمبی عمر باعثِ رشک ہے اگر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں گزری ہو۔ جو شخص ہر معاملہ میں اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھتا ہو وہ نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے۔ اور اس شخص کی بدبختی پر کون شک کر سکتا ہے جس کی طویل زندگی اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کے دریا میں غرق ہو چکی ہو اور وہ آخرت میں نافرمانی کا بھاری بوجھ اپنی کمر پر لاد کر لے جائے۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

4 تا 10 ربیع الاول 1432ھ جلد 20
8 تا 14 فروری 2011ء شمارہ 6

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

ایوب بیگ مرزا محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الیکٹرانک میڈیا کی آمریت

غربت، فاقہ کشی اور تنگ دستی کے حوالہ سے پاکستان کے حالات مصر اور تیونس سے کہیں بدتر ہیں۔ بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ نے بھی پاکستان میں عوام کی زندگی اُجیرن کی ہوئی ہے۔ لیکن پاکستان میں اِس حوالہ سے نہ عوام سڑکوں پر بھرپور انداز میں آئے ہیں نہ اِس کی کوئی توقع ہے۔ پاکستان میں عوام توہین رسالت کے ایکٹ میں ترمیمی حوالہ سے سڑکوں پر آئے ہیں۔ باوجودیکہ حکومتِ پاکستان دن رات یہ اعلان کر رہی ہے کہ وہ توہین رسالت ایکٹ C-295 میں کوئی تبدیلی نہیں کر رہی، عوامی غیض وغضب میں کمی واقع نہیں ہو رہی۔ مصر، تیونس اور پاکستان کے حالات سے یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اب مسلمان ممالک کے عوام آمریت، گھٹن اور زبان بندی مزید برداشت نہیں کریں گے۔ وہ یہ بھی پسند نہیں کریں گے کہ اُنھیں کوئی ایک شخص چھڑی ہاتھ میں لیے بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا رہے۔ پھر یہ کہ جب ہر قسم کے میڈیا سے صبح وشام کسی شخصیت یا اُس کے بنائے ہوئے نظام کی تعریفوں کے پُل باندھے جائیں تو یہ بھی کچھ عرصہ بعد نہ صرف اُس شخصیت یا اُس کے وضع کردہ نظام کے خلاف عوام کی نفرت میں اضافے کا موجب بنتا ہے، بلکہ میڈیا تعریفیں کر رہا ہوتا ہے اور سننے والے اپنے ردّعمل کا اظہار بدترین الفاظ اور بعض اوقات گالیوں سے کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ ایک ہی طرح کی بات، وہ بھی مصنوعی اور بعض اوقات جھوٹی کسی کو زبردستی سنانا چاہیں گے اور فریق مخالف پر اظہارِ خیال کے تمام دروازے بند کر دیں گے تو ردّعمل ایسا ہی شدید ہوگا۔ وقت لگے گا لیکن آتش فشاں ضرور پھٹے گا۔

ہمیں اعتراف ہے کہ پاکستان میں عوام کے سڑکوں پر نہ آنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ یہاں غبار نکالنے کے راستے فی الحال موجود ہیں۔ پھر یہ کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت اتنی کمزور، ضعیف اور لاغر ہے کہ جس کا جتنا جی چاہتا ہے جوتیاں مار لیتا ہے، حکومت اُف تک نہیں کرتی۔ الطاف بھائی کا گھونسا ہو یا فضل الرحمٰن کی لٹھ، بے چاری حکومت کپڑے جھاڑتی ہوئی پھر اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ان کے آگے کورنش بجا لاتی ہے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حکومت کی ایسی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ عوام اُس کے سامنے اُٹھ کھڑے ہوں، البتہ یہ ضروری نہیں کہ کسی ملک میں حکومت نے ہی آمریت اور جگا شاہی قائم کی ہو۔ وطنِ عزیز پاکستان میں یہ حیثیت الیکٹرانک میڈیا نے آزادی کے نام پر حاصل کی ہوئی ہے۔ اس آمریت کا بت پاش پاش کرنے کی ضرورت ہے۔ تحفظِ ناموس رسالت کے حوالہ سے پاکستان کے عوام نے کراچی اور لاہور میں جس جذبہ اور غیرت کا مظاہرہ کیا، الیکٹرانک میڈیا کے فرعون ابھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے۔ لہٰذا اُنھوں نے اُسے بری طرح نظرانداز کیا اور اُنھیں ترجیح دی جنھوں نے ٹارچر سیل بنائے ہوئے ہیں اور جو مخالفین کو بوریوں کا کفن پہنا کر سڑک پر پھینک دیتے ہیں، جو مخالف سے صرف گولی کی زبان پر بات کرنے کے قائل ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا کے بارے میں یہ تاثر عام ہو گیا ہے کہ وہ یا طاقت کی زبان سمجھتا ہے یا سرمایہ جس طرف چاہتا ہے اُس کا رخ پھیر دیتا ہے۔ یہ بات چونکہ عام ہو چکی ہے لہٰذا اس کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ حدود آرڈیننس کی تنسیخ اور حقوق نسواں بل کی منظوری کے لیے امریکہ نے لاکھوں ڈالر ایک بڑے میڈیا گروپ کی نذر کیے۔ اگر لالچ اور خوف کی بنیاد پر الیکٹرانک میڈیا نے اپنی سیکولر نواز پالیسی جاری رکھی تو ایک اسلامی نظریاتی ریاست میں جس کے عوام کا مذہب کے ساتھ بڑا جذباتی لگاؤ ہے وہاں میڈیا اپنی کریڈیبلٹی مکمل طور پر کھو دے گا جو پہلے ہی کافی حد تک متاثر ہو چکی ہے۔ سوشل میڈیا اُس کے نعم البدل کے طور پر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کا انحصار اب الیکٹرانک میڈیا کی بجائے سوشل میڈیا پر زیادہ ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ خبر اور تجزیہ کے حوالہ سے یک رُخی

پالیسی کی وجہ سے الیکٹرانک میڈیا کو عوام کی نفرت کا سامنا کرنا پڑے، اُسے اپنی پالیسی میں اہم تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ ہم ہرگز ہرگز یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ الیکٹرانک میڈیا پر مذہبی لوگوں کی آمریت قائم کر دی جائے۔ ہم اِس کی بھی اتنی ہی مخالفت کریں گے جتنی اِس وقت سیکولر عناصر کی میڈیا پر قبضہ کی کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت الیکٹرانک میڈیا یا تو سیکولر عناصر سے ایسے تبصرے اور مذاکرے کرواتا رہتا ہے جس کا مقصد مذہبی لوگوں کو غلط انداز میں پیش کرنا یا اُن کے اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کرنا (مذہبی لوگوں میں یقیناً اختلافات ہیں لیکن یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ کوئی طبقہ، پیشہ یا ادارہ نہیں ہوتا جس میں اختلاف نہ ہو) پاکستان میں موجود مسالک میں پانچ چھ فیصد اختلاف ہے اور 95 فیصد اتفاقات اور مشترکات ہیں لیکن میڈیا ہمیشہ اختلافات کو ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور اتفاقات کو نظر انداز کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگوں کو آگے لانے کی کوشش کی جاتی ہے جو امت سے کٹ چکے ہیں اور تسلیم شدہ مسالک سے الگ انفرادی سطح پر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر بیٹھے ہیں۔ اُنھیں مذہبی معاملات پر تبصرہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا وحید الدین اور جاوید احمد غامدی کے پیروکاروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف دینی جماعتوں کے نکالے گئے لوگ جو ریوڑ سے الگ ہو کر تنہائی کے شکار ہو چکے ہوتے ہیں اور اُنھیں پروجیکشن کے لیے کسی پلیٹ فارم کی تلاش ہوتی ہے۔ ایسے لوگ روایت سے ہٹ کر بات نہ کریں تو کوئی اُن کی سنتا نہیں۔ لہٰذا وہ آئمہ کرام اور اسلاف کے طے شدہ معاملات کو اپنے ''جدید'' خیالات کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ اصل اسلام ہے اور مساجد میں خطباتِ جمعہ اور عید کے موقع پر آپ جن علماء کو منبرِ رسولؐ سے سنتے ہیں وہ شدت پسند ہیں۔ وہ دہشت گردی پھیلانے والے اور اسلام کو بدنام کرنے والے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اِس پر مستزاد اینکر حضرات اِن خود ساختہ مذہبی لیڈروں کے منہ میں جو ڈالتے رہتے ہیں وہ وہی کچھ اُگلتے ہیں۔ اینکر حضرات جس جمہوریت کا دن رات ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں وہ میڈیا میں بھی قائم کریں اور تمام طبقات کو یکساں مواقع فراہم کریں۔ اس سلسلے میں ایک تجویز اُن کی خدمت میں عرض کیے دیتے ہیں کہ وہ اپنے ٹاک شوز اور دوسرے پروگراموں میں مہمانوں کو انفرادی طور پر نہ مدعو کیا کریں بلکہ مستند دار العلوموں اور بڑی سیاسی مذہبی اور خالص مذہبی جماعتوں کو آفر کیا کریں کہ وہ فلاں پروگرام کے لیے اپنے نمائندے کو بھیجیں اور یہ رویہ بھی ترک کریں کہ کبھی کبھار کسی حقیقی مذہبی رہنما کو بُلا ہی لیں تو اُس پر چاروں اطراف سے حملہ کر کے اُسے زِچ کریں۔ جب بھی وہ کوئی اہم بات کرنے لگے یا ایسی بات کہنے کی کوشش کرے جس سے اینکر کو خدشہ محسوس ہو کہ سیکولر حضرات کا رنر ہو جائیں گے تو فوراً بات کاٹ کر دوسرے مہمان کی طرف رخ کر لیا جاتا ہے۔ اور سارے پروگرام کا اختتام اس طرح ہوتا ہے کہ دوسرے سیکولر مہمانوں کے ساتھ مل کر اُس مذہبی رہنما کا تمسخر اُڑاتے ہیں اور کوئی اِس چینل کو اس حوالہ سے پوچھ نہیں سکتا۔ بہرحال ہم نصح و خیر خواہی کے جذبہ سے الیکٹرانک میڈیا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو یکساں مواقع فراہم کریں، تاکہ غبار نکلتا رہے اور میڈیا پر عوام کا اعتماد پھر سے قائم ہو جائے۔

بیابہ مجلس اسرار

تکمیل وختم نبوت کا منطقی تقاضا

قرآن حکیم سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام نوعِ انسانی کے لیے رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اور آپؐ کی رسالت تا قیامِ قیامت دائم اور جاری و ساری ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاتم الانبیاء و آخر الرسل محمد ﷺ جو دین حق دے کر مبعوث فرمائے گئے تھے اور جس دین کو تمام نظامہائے حیات پر غالب کرنا آپؐ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا تھا، اس دین کی دعوت اور تبلیغ اور اقامت کا کام جاری رہے۔ چنانچہ اب یہ فریضہ اُمتِ مسلمہ کے سپرد ہوا یعنی ایک طرف اللہ کا پیغام تمام بنی نوعِ انسان تک اس درجہ میں پہنچا دینا کہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے کہ وہ اللہ کے یہاں یہ عذر پیش نہ کرسکیں کہ ہم تک تیرا پیغام نہیں پہنچا۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ پورے کرۂ ارضی پر دین حق کو بالفعل غالب و قائم کرنا بھی اس اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ بنفسِ نفیس اپنے مشن کی ایک حد تک تکمیل فرما کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل ہوگئی، لیکن آپؐ کا مشن تو درحقیقت اُس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے گا جب پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا پرچم سب سے بلند ہوگا۔

اس پہلو سے جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو حضور ﷺ اپنے فرضِ منصبی کے اعتبار سے اس پر مامور تھے کہ آپؐ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفس نفیس فرما دیں۔ یہ گویا آپؐ کی آفاقی، عالمی اور دائمی بعثت و رسالت کا اولین مرحلہ تھا جو پورا ہوا —— لیکن ابھی بین الاقوامی اور عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام باقی تھا، جس کا نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیوی کے دوران بنفس نفیس آغاز فرما کر پھر اس مشن کو اُمت کے حوالے فرما دیا کہ اب اس فریضہ کی عالمی سطح پر تکمیل تمہارے ذمہ ہے۔ اب ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک دعوت و تبلیغ اور شہادت علی الناس کا فرض تمہیں انجام دینا ہے اور پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا بول بالا کرنا یعنی ''اسلامی انقلاب'' تم کو برپا کرنا ہے۔

بسلسلہ مومنانہ اور منافقانہ کردار

ثعلبہ کا قصہ اور مسلمانانِ پاکستان

نفاذِ اسلام کے وعدے سے پہلوتہی کے سبب کہیں ہم نفاق میں مبتلا تو نہیں ہو گئے!

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 28 جنوری 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ التوبہ کی آیات 75 تا 77 کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! مومنانہ اور منافقانہ کردار کے تقابلی بیان کے سلسلے میں سورۃ التوبہ کا نواں اور دسواں رکوع ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ اِن رکوعوں کی آٹھ آیات (از 67 تا 74) کا بیان ہو چکا ہے۔ آج کی نشست میں آیات 75 تا 77 پر گفتگو ہوگی، ان شاء اللہ۔ ان آیات میں ثعلبہ بن حاطب انصاری کے واقعے کے حوالے سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ انسان کے کسی جرم کی پاداش میں اُسے نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ثعلبہ پر منافقت کا لیبل نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں ہی میں سمجھا جاتا تھا، مگر اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور بدعہدی کی، جس کی پاداش میں نفاق کے مرض میں مبتلا کر دیا گیا۔ فرمایا:

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾

"اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے۔ اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر بیٹھے۔"

یعنی انہوں نے وعدہ تو یہ کیا تھا کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ مال و دولت سے نواز دے تو ہم اُس کی راہ میں خوب خرچ کریں گے اور سچے مومن بن کر رہیں گے۔ ایمان کے جو بھی تقاضے سامنے آئیں گے، اُنہیں پورا کریں گے، مگر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا، مال و دولت کی کثرت ہوگئی تو یہ لوگ اس بات کو بھول گئے اور بخل اور کنجوسی کرنے لگے۔

﴿فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾

"تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے، ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔"

> نفاق کی ابتدا بدعملی سے ہوتی ہے۔ یہ معاملہ بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان نفاق کی خوفناک کھائی میں گر پڑتا ہے۔ ہر مسلمان کو نفاق سے ڈرنا چاہیے اور ثعلبہ انصاری کے واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہیے

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ قرآن نے اِسے بھی واضح کر دیا۔ پہلا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جو وعدہ اللہ سے کیا تھا، یہ اُس سے پھر گئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ یہ جھوٹ بولتے رہے۔

ثعلبہ انصاری جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، مسلمانوں میں سے تھا۔ نفاق کا مرض تو اُسے اپنے جرائم کی بنا پر لاحق ہوا۔ نفاق دین کے عملی تقاضوں سے پیچھے ہٹنے کا سفر ہے۔ نفاق کی خوفناک کھائی میں گرنے سے پہلے انسان الٹے پاؤں یہ سفر طے کرتا ہے۔ یہ سفر بتدریج طے ہوتا ہے۔ اس راستے پر چلتے ہوئے ایک مقام وہ آتا ہے جہاں انسان کی دوستی اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کی بجائے اسلام دشمنوں اور اللہ کے باغیوں سے ہو جاتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے، انسان خطا کا پتلا ہے۔ غلطی کا صدور ہر انسان سے ہو جاتا ہے۔ مگر جب تک احساس گناہ باقی اور ضمیر زندہ رہے تو یہ اِس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اندر ایمان کی حرارت باقی ہے۔ ابھی دل مردہ نہیں ہوا۔ مگر جب یہ صورتحال ہو جائے کہ انسان گناہ و سرکشی کرے، خود بھی راہ حق سے منحرف ہو اور دوسرے لوگوں کے خلاف جو اِس راستے پر چل رہے ہوں، دل میں کدورت اور نفرت بھی پالنے لگے، اور اُس کی ساری کی ساری ہمدردی کا رُخ دین دشمن طاقتوں کی طرف ہو جائے تو یہ سخت خطرے کا الارم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے نفاق کی حدود میں قدم رکھ لیا ہے۔ نفاق کا یہ سفر بنیادی طور پر بدعملی سے شروع ہوتا ہے۔ شروع شروع میں یوں ہوتا ہے کہ انسان اپنی تھوڑی سی اصلاح کرتا ہے، مگر پھر وہی کوتاہیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دل میں ڈھٹائی پیدا ہو جاتی ہے اور انسان

گناہ پر جری ہو جاتا ہے اور اُس کا رُخ اللہ کے دشمنوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عہدِ نبوی کے منافقین کا حال تھا کہ یہود سے ساز باز رکھتے تھے۔ نفاق سے ہر آدمی کو ڈرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کا وائرس انسان پر غیر محسوس طریقے سے حملہ آور ہوتا ہے۔ ابتدا میں انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نفاق کے اس سفر کا ذکر سورۃ النساء کی آیت میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾﴾

''جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کو اللہ نہ تو بخشے گا اور نہ سیدھا راستہ دکھائے گا۔''

ثعلبہ نامی شخص کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے دولت مند کر دے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ثعلبہ، تھوڑی چیز جس پر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اُس زیادہ چیز سے اچھی ہے جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے''۔ یعنی مال تو زیادہ مل جائے گا، مگر تم اس کے تقاضے پورے نہ کر سکو گے۔ یہی اکثر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مال و دولت پر اللہ کا شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، مگر بسا اوقات انسان یہ تقاضا پورا نہیں کر پاتا۔ وہ بخیل ہو جاتا ہے، اور اُس کا مال دین کے راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مال و دولت اللہ سے غافل کر دینے والی شے ہے۔ یہ فتنہ و آزمائش ہے، یہ ہرگز بڑائی اور فخر کی چیز نہیں۔ یہ تو ہماری نادانی ہے کہ جس شخص کو زیادہ مل جاتا ہے اُس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ فلاں بڑا قابلِ رشک ہے۔ اُس پر اللہ نے رزق کے دروازے کھول دیے ہیں۔ وہ فیکٹریوں کا مالک ہو گیا ہے وغیرہ۔ بہرکیف اللہ کے رسول ﷺ نے ثعلبہ کو یہ سمجھایا کہ تھوڑے مال پر قناعت کرو، اس لیے کہ کم مال اُس زیادہ مال سے بہتر ہے کہ جس کے حقوق ادا نہ ہو سکیں۔ مگر مال کی محبت میں رسول اللہ ﷺ کی بات اُس کے ذہن میں نہ بیٹھی۔ اُس نے پھر وہی درخواست کی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اے ثعلبہ! کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میرے نقشِ قدم پر چلے''۔ یعنی جس طرح میں نے مال و دولت کو پسند نہیں کیا، تم بھی اس کی کثرت کی تمنا نہ کرو، اور اس کے لیے دُعا کا تقاضا نہ کرو۔ مگر آپؐ کے انکار کے باوجود اُس کا اصرار بڑھتا رہا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ مجھے مال و دولت دے گا تو میں پوری طرح اُس کے حقوق ادا کروں گا۔ اللہ کی راہ میں خوب خرچ کروں گا۔ آخر حضور ﷺ نے اُس کے لیے دُعا فرمائی۔ دعا کے نتیجے میں ثعلبہ کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی، اور اتنا پھیلاؤ ہوا کہ اُن میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ وہ جمعہ و جماعات بھی ترک کرنے لگا۔ اس کے کچھ عرصے بعد نبی کریم ﷺ نے ثعلبہ کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے محصل بھیجے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ ایک دو بار ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا ((وَیحَ ثعلبہ)) ''بُرا ہو ثعلبہ کا'' اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اُس کے اقارب کے ذریعے یہ خبر اُسے پہنچی تو لوگوں میں شرمساری سے بچنے کے لیے بادلِ نخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، مگر آپؐ نے لینے سے انکار کر دیا۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں اُن کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، مگر ہر ایک نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ جو چیز نبی ﷺ نے رد کر دی ہم اُس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اِسی حالت نفاق پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اُس کا خاتمہ ہوا۔

یہ ایک شخص کا قصہ ہے، لیکن یہ جمع کے صیغے میں بیان ہو رہا ہے۔ کبھی کبھی فرد کی طرح قوم کے ساتھ بھی نفاق کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ قوم اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتی ہے کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے تو ہم خوب صدقہ کریں گے، بڑے صالح اور نیک بن جائیں گے اور دین کے تقاضوں کو پورا کریں گے، مگر جب اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے نواز دیتا ہے تو وہ ڈنڈی مارتے ہیں۔ پھر جب انہیں اُن کا وعدہ یاد دلایا جاتا ہے تو وہ اعراض کر لیتے ہیں، اور کسی طور بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہی وہ جرم ہے جو ہم مسلمانانِ پاکستان سے سرزد ہوا۔ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اکثر انہی آیات کے حوالے سے پاکستانی قوم کے حالات کا تجزیہ کیا

پریس ریلیز: 28/ جنوری 2011ء

حافظ عاکف سعید

یورپ اور امریکہ حدود آرڈیننس میں غیر شرعی ترامیم کے بعد اب ناموس رسالت قانون میں ترامیم کروانا چاہتے ہیں

لاہور میں امریکی شہری کے ہاتھوں پاکستانیوں کی ہلاکت سے واضح ہے کہ
ہمارے حکمرانوں نے پاکستان کو امریکی کالونی میں تبدیل کر دیا ہے

پاکستان میں حق و باطل کا معرکہ اب آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی میں خطابِ جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ یورپ اور امریکہ نے پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پہلے تحفظِ حقوقِ نسواں کے عنوان سے غیر شرعی بل پاکستان کی پارلیمنٹ سے منظور کروایا اور اب وہ تحفظ ناموس رسالت ایکٹ 295-C میں ترمیم کروانا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ تحفظ ناموس رسالت تحریک اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک صدر زرداری کی تشکیل کردہ کمیٹی کو تحلیل نہیں کیا جاتا جو C-295 میں ترمیم تجویز کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں شیری رحمٰن نے اس حوالہ سے جو بل قومی اسمبلی میں پیش کیا ہے اور اُسے سپیکر قومی اسمبلی نے قائمہ کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا اُسے فوری طور پر واپس لیا جائے۔ لاہور میں پیش آنے والے واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ ہمارے حکمرانوں نے امریکیوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ جیسے اور جب چاہیں پاکستانیوں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اُنہوں نے اُس امریکی اہلکار کو جس نے لاہور میں فائرنگ کر کے تین شہریوں کو ہلاک کیا ہے، قتل کے جرم میں قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ پہلے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں سے پاکستانیوں کو مارا جا رہا تھا، اب بڑے شہروں میں فائرنگ کر کے امریکی پاکستانیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے پاکستان کو امریکی کالونی میں تبدیل کر دیا ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

کرتے تھے۔ دیکھئے، متحدہ ہندوستان میں ہم محکوم تھے۔ ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات دے دے اور الگ خطۂ زمین عطا فرمادے، ہم آزاد ملک کو اسلامی ریاست میں ڈھالیں گے جو پوری دنیا کے لیے اسلام کے نظام عدل وقسط کا نمونہ بنے گی۔ انڈیا کے علاقوں سے لاکھوں مسلمان ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرکے اِس سرزمین پر اسی لیے آئے تھے کہ یہاں اسلامی ریاست قائم ہوگی، جس میں وہ اپنے دین پر پورے طور پر عمل کرسکیں گے، اور یہاں اسلام کا نظام عدل اپنی بہاریں دکھائے گا۔ یہی بات بانئ پاکستان قائداعظم نے اپنے بیسیوں بیانات میں کہی تھی۔ جب اُن سے دستور پاکستان کی بابت سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ہمارا دستور تیرہ سو سال پہلے ہمیں عطا کردیا گیا ہے، یعنی قرآن مجید۔ بانئ پاکستان کی اپنی وفات سے دو تین دن پہلے اپنے معالج پروفیسر ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا: ”تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے۔ یہ ایک مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ رسول خداﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں، تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے، اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے“۔ یہ تو ہمارے وعدے تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی مخالفت کے باوجود آزادی کی دولت سے نواز دیا اور ایک آزادانہ خطۂ زمین عطا کردیا تو ہم یہ سب کچھ بھول گئے۔ ہم نے نفاذِ اسلام کی بجائے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ اب جب یہ وعدہ یاد کرایا جاتا ہے تو ہمارے نام نہاد دانشور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہی نہیں۔ یہ لوگ بانئ پاکستان کے سو کے قریب ان بیانات کو چھوڑ کر جن کا حاصل یہ ہے کہ وہ پاکستان نفاذ اسلام کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں، 11 ستمبر 1947ء کے ایک متنازعہ بیان کی بنیاد پر یہ کہہ رہے ہے کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ حالانکہ سیکولر حلقوں کی اس تعبیر کی قائداعظم نے خود نفی کردی تھی۔ چنانچہ 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے دوٹوک انداز میں یہ کہا تھا کہ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کے مطابق نہیں بنے گا، وہ فتنہ پرور اور شرارتی ہیں اور غلط پروپیگنڈا کررہے ہیں۔

بہرحال نفاذ اسلام کے وعدے سے انحراف کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قوم کے اندر بحیثیت مجموعی منافقت ڈال دی ہے، جس کے مظاہر ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ قوم میں جھوٹ، بددیانتی عام ہوچکی ہے۔ کرپشن کا مرض پوری قوم کو بُری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ نفاق باہمی نے یہاں کے مسلمانوں کو قومیتوں میں تقسیم کردیا ہے۔ یہ نفاق وعدہ خلافی اور جھوٹ کے سبب دلوں میں ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے، ہم نفاذ اسلام کے وعدے سے پھر گئے۔ اب یہ وعدہ یاد دلایا جاتا ہے تو ہم جھوٹ بولتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ ملک اسلام کے لیے بنا ہی نہیں۔ اللہ نے بتا دیا کہ وعدہ خلافی اور جھوٹ کا نتیجہ نفاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہمیں نفاق سے ڈرنا چاہیے، اس لیے کہ بدعملی کے نتیجے میں اس کے وائرس غیر محسوس طریقے سے حملہ آور ہو جاتے ہیں اور یہ صورتحال بہت خوفناک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ وہ لوگوں کی مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ آپس میں جو کانا پھوسی کرتے اور سازشیں کرتے ہیں، اسلام کے خلاف جو گھناؤنے منصوبے بناتے ہیں، اُن کا بھی علم رکھتا ہے۔ وہ تو سمیع بصیر ہے۔ لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

نیوز آف دی ویک

خبر ”ریمنڈ ڈیوس کے حوالے سے سیاست کرنے والے اس کے نقصانات سے آگاہ نہیں“ (صدر زرداری)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

تبصرہ

صدرِ محترم جناب آصف علی زرداری نے کیسی حکیمانہ بات کی ہے کہ وہ لوگ جو ریمنڈ ڈیوس کے حوالے سے سیاست کررہے ہیں وہ اس کے خوفناک نقصانات سے آگاہ نہیں۔ صدر زرداری کی رائے میں اِن نادانوں کو علم ہونا چاہیے کہ ”قاتلِ محترم“ جناب ریمنڈ ڈیوس صاحب امریکہ سرکار کے شہری ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔ اگر کچھ جاہل قسم کے پاکستانیوں کو اُنھوں نے ازراہِ شغل اپنی گولیوں کا نشانہ بنا ہی دیا ہے یا اپنی گاڑی تلے روند ڈالا ہے تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔ لوگ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنارہے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ پاکستان میں آبادی کتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور کیا انھیں بار بار بتانے کی ضرورت ہے کہ آبادی کم خوشحال پاکستان۔ آخر ایک اسٹریٹجک پارٹنر کا آوارہ فوجی اِن پاکستانیوں کو زندگی کے مصائب سے نجات دلاتا ہے تو بجائے اس کے کہ اُس کے شکرگزار ہوں اور اُس کی خدمت عالیہ میں ہدیہ تبریک پیش کریں، بعض احسان فراموش پاکستانی ٹکے ٹکے کی باتیں کررہے ہیں، حالانکہ اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ٹکا کرنسی اب ختم ہوچکی ہے، اب صرف ڈالر کا راج ہے۔ گیلانی زرداری کا آقا، رازق، نگہبان، سرپرست اور مائی باپ امریکہ بہادر کتنی فراخدلی سے ہم پاکستانیوں پر ڈالر نچھاور کرتا ہے۔ ہمارا قومی فریضہ ہے اور ملکی مفاد کا تقاضا ہے کہ ہم سب مل کر اُس کے حضور دن رات کورنش بجالائیں، تاکہ اُس وقت تک سلامتی سے رہ سکیں جب تک کسی دوسرے امریکی فوجی کے دل میں انسانوں کو شکار کرنے کی خواہش نہ مچلنے لگے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی کم نکلے

فلسفۂ دین میں نبوت و رسالت کا مقام

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا فکر انگیز خطاب

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے گزشتہ سال ماہ ربیع الاول اور ربیع الثانی کے دوران قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ''سیرت خیر الانام ﷺ'' کے عنوان سے پانچ مفصل خطابات ارشاد فرمائے۔ جن میں سیرت کے مضمون کو نئے انداز اور نئی ترتیب کے ساتھ پیش کیا۔ اہل لاہور ڈاکٹر صاحب کو سننے کے لیے دور و نزدیک سے آ کر پروگرام میں شریک ہوتے۔ قرآن آڈیٹوریم حاضرین سے کھچا کھچ بھر جاتا اور اپنی تنگ دامنی کا شاکی دکھائی دیتا۔ ان خطابات کو اس پہلو سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری عوامی خطابات میں سے تھے۔ اس کے بعد زندگی نے آپؒ کو زیادہ مہلت نہیں دی، اور آپؒ 14 اپریل 2010ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ زیر نظر صفحات میں ڈاکٹر صاحب کے اِن ایمان افروز اور فکر انگیز خطابات کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اِس سلسلہ کے پہلے خطاب کا ابتدائی حصہ نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

[سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۃ التغابن کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

معزز حاضرین اور محترم خواتین! آج ہم اللہ کا نام لے کر پانچ خطبات سیرت کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات کو سازگار بنائے رکھے، اور ہمیں ان کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اِس ضمن میں ہمارے پہلے خطبہ کا عنوان ہے:

''فلسفۂ دین میں نبوت و رسالت کا مقام''

لفظ ''فلسفہ'' قابل غور ہے۔ کیا فلسفہ کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟ عام طور پر یہ لفظ دینی حوالے سے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے ہم حکمت قرآن اور حکمت دین کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ''حکمت'' قرآن حکیم کی اصطلاح ہے جبکہ فلسفہ غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ اسی طرح یہ اصطلاح حدیث میں بھی نہیں آئی۔ فلسفہ اور حکمت میں فرق یہ ہے کہ فلسفہ خالص منطق کی بنیاد پر آگے بڑھتا ہے اور جہاں کوئی چیز منطقی طور پر ثابت نہ ہو وہاں یہ رک جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ جبکہ حکمت منطق سے بھی سروکار رکھتی ہے اور مبادیاتِ فطرت سے بھی۔ مبادیات فطرت وہ چیزیں ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں۔ اِن چیزوں کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیل کے ذریعے انہیں ثابت کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب عقل منطق اور فطرت میں ودیعت کردہ چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے فطرت سلیمہ کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کرتی ہے تو اس کا نتیجہ حکمت کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک حکیم انسان کے طور پر حضرت لقمان کی مثال دی گئی ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ﴾ (سورۃ لقمان:12)

''اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ اللہ کا شکر کرو۔''

ایک بات اور بھی جان لیجیے۔ فلسفے کی بہت سی شاخیں ہیں۔ منطق بھی فلسفے کی شاخ شمار ہوتی ہے، اگرچہ یہ ایک فن ہے۔ ایک زمانے میں نفسیات بھی فلسفے کی شاخ شمار ہوتی تھی۔ لیکن اب فلسفے کے ہر شاخ کے لیے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ ایک شاخ کا نام مابعد الطبیعیات (Metaphysics) ہے۔ اس کا براہِ راست تعلق دین کے ساتھ ہے۔ ایک تو مادی کائنات (Physical World) ہے۔ یہ فزکس کا موضوع ہے۔ اس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے۔ اس کے برعکس میٹا فزکس اُن چیزوں سے بحث کرتی ہے جو حواس خمسہ کے دائرے سے باہر ہوں۔ فزکس اور میٹا فزکس میں یہی فرق ہے۔

زندگی کے اصل حقائق پردۂ غیب میں ہیں۔ یہ حقائق حواس خمسہ کے ذریعے منکشف ہو ہی نہیں سکتے۔ قرآن مجید ہدایت کاملہ ہے جو انسان کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ یہ کتاب مابعد الطبیعیات سے بحث کرتی ہے۔ قرآن مجید نے ابتدا ہی میں یہ بات واضح کر دی کہ اس سے استفادے کی پہلی شرط غیب پر ایمان ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے: ﴿الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ ۛ فِيْهِ ۚ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ غیب جیسا کہ کہا گیا وہ حقائق ہیں جو حواس کے دائرے میں نہیں آتے۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ ہمارے حواس، فہم، عقل اور وہم و خیال سے ماوراء، ثم وراء الوراء ہے۔ پھر یہ کہ ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح ہم وحی کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ سب میٹا فزکس کا میدان ہے۔ اور فزکس کا میدان وہ ہے جس میں ہم چیزوں کو دیکھ سکیں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ فزیکل سائنسز بہت آگے بڑھ چکی ہیں، جبکہ میٹا فزکس کی جانب سے آنکھیں بند ہیں حالانکہ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی، اور ہے کہ جدید فزکس سے حاصل شدہ معلومات کو قرآن مجید کی میٹا فزکس کے ساتھ جوڑ کر دیکھا اور پڑھا جائے۔ ان دونوں میں تضاد ہو ہی نہیں سکتا، یہ ناممکن ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے بہت عمدہ بات کہی ہے:

"The Quran is the words of God and and this universe is the work of God."

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے۔ یہاں کے طبعی قوانین اُسی نے بنائے ہیں۔ وہی اس کو چلا رہا ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں تضاد ممکن نہیں۔ ذرا سوچیے، جب ایک معقول انسان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا، اگر ایسا ہو تو یہ بہت گھٹیا بات خیال کی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے قول و فعل میں تضاد کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنس کے تمام ثابت شدہ حقائق قرآن حکیم کی تائید کرتے ہیں۔ اللہ کی یہ کتاب آج سے چودہ برس پہلے نازل ہوئی

ہے۔ اس وقت انسان کی مادی معلومات بہت کم تھیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں جن physical phenomenon کا تذکرہ ہوا، ان کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے سائنس آگے بڑھتی گئی ان مظاہر کا سمجھنا آسان ہوتا چلا گیا۔ یہ بات قرآن حکیم نے پہلے ہی کہہ دی تھی:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حٰم السجدۃ:53)

''ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔''

سائنس کے میدان میں اب تک جو بھی حقائق سامنے آئے ہیں انہوں نے قرآن کی حقانیت کو ثابت و مبرہن کیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں علم جنین (Embryology) کے جو حوالے آئے ہیں، انہوں نے ماہرین علم جنین کو حیرت زدہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس سلسلے میں کینیڈا کے دو ماہرین علم جنین کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یونیورسٹی آف ٹورنٹو سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر کیتھ ایل مور جن کی علم جنین پر دو تصانیف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں اور ڈاکٹر رابرٹ ایڈورڈز جو ٹسٹ ٹیوب بے بی کے ضمن میں شہرت کے حامل ہیں، دونوں نے نہایت متحیرانہ انداز میں گواہی دی ہے کہ قرآن حکیم نے رحم مادر میں انسانی جنین کی درجہ بدرجہ پرورش کی جو نقشہ کشی کی ہے، وہ اُن معلومات کے ساتھ حیرت ناک حد تک مطابقت رکھتی ہے جو خورد بین کی ایجاد کے بعد اب انسان کے علم میں آئی ہیں۔ آپ نے فرانسیسی سرجن ڈاکٹر موریس بوکائے کا نام تو سنا ہوگا۔ انہوں نے بھی رحم مادر میں بچے کی تخلیق کے مراحل کا مشاہدہ کیا۔ یہ جان کر اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ قرآن حکیم نے چودہ سو برس پہلے ہی تخلیق کے وہ تمام مراحل بیان کر دیے ہیں جن تک سائنس برسوں کی تحقیق کے بعد پہنچی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے: بائبل، قرآن اور سائنس۔ اس کتاب میں انہوں نے یہ ثابت کیا، اور اس بات کا برملا اقرار کیا کہ قرآن میں کوئی بھی ایسی شے نہیں جسے سائنس نے غلط ثابت کیا ہو۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ بہت سی چیزوں کی حقیقت تک ابھی سائنس کی رسائی نہ ہوئی ہو، لیکن سائنس کی ثابت شدہ کوئی شے ایسی نہیں جس نے قرآن کے بیان کا رد کیا ہو۔ پس آج ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ جو دو علوم علیحدہ علیحدہ چل رہے ہیں، ان کو باہم ملا کر پڑھا جائے۔ یہ دراصل انسان کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک آنکھ فزکس کی ہے اور دوسری آنکھ وحی کی ہے۔ ان دونوں آنکھوں سے دیکھا جانا چاہیے۔ حقیقت کا علم قرآن سے لیا جائے اور کائنات کا علم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ پھر یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جائے گی کہ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ یہی بات درحقیقت میری آج کی گفتگو کی بنیاد ہے۔ یعنی دین کی میٹا فزکس اور فلسفہ وحکمت میں نبوت و رسالت کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ قرآنی میٹا فزکس ہے کیا؟ ہم اس کو ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایمانیات کیا کیا ہیں؟ اللہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، وحی پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، حضورﷺ کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان، قرآن حکیم کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے اور محفوظ ہونے پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر، جنت دوزخ پر، حساب کتاب پر، وزن اعمال پر ایمان۔ یہ سب ایمانیات قرآن حکیم کی میٹا فزکس ہیں اور یہ ہمارے حواس کے دائرے میں آنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ ان ایمانیات کو تین بڑے بڑے عنوانات کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔

1۔ ایمان باللہ یا توحید
2۔ ایمان بالآخرت، یا معاد (معاد اسم ظرف ہے یعنی لوٹنے کی جگہ) اور
3۔ ایمان بالرسالت

ایمان باللہ کیا ہے؟ ایمان باللہ سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات اور موجودات کا خالق و مالک ہے۔ وہی رب اور الٰہ ہے۔ اللہ کی ہستی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کائنات ایک وقت آئے گا، ختم ہو جائے گی۔ کائنات کے حوالے سے آج تو یہ بات پوری دنیا مان رہی ہے، مگر آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک یہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اُس وقت انسان نیوٹونین فزکس کے دور میں جی رہا تھا۔ لیکن آج سائنس کے ذریعے انسان پر یہ امر واضح ہو چکا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے کہ یہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے اور نہ ہی ہمیشہ رہے گی۔ یہ ایک خاص وقت پر پیدا کی گئی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جائے گی۔ محققین کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ کائنات کا آغاز اب سے لگ بھگ پندرہ سے بیس ارب سال قبل Big Bang سے ہوا تھا۔ یہ کائنات پھلجھڑی کی طرح اب بھی پھیل رہی ہے۔ کائنات میں مزید کہکشائیں وجود میں آ رہی ہیں۔ چنانچہ آپ اکثر اخبارات میں یہ پڑھتے رہتے ہیں کہ آج ایک اور کہکشاں دریافت ہوگئی ہے، اور وہ ہم سے اتنے ملین، ٹریلین میل دور ہے۔ سائنس تو یہاں تک اب پہنچی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے یہ فرما دیا تھا: ﴿يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ﴾ (سورۃ فاطر:2) ''وہ (اللہ تعالیٰ) اپنی تخلیق میں اضافہ کرتا رہتا ہے (یا کرتا رہے گا)'' اسی بات کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ابھی تو یہ کائنات پھیل رہی ہے، لیکن ایک وقت آئے گا جبکہ یہ سمٹنا شروع ہو جائے گی، اور سمٹتے سمٹتے ایک نقطے پر جا کر ختم ہو جائے گی۔ قرآن حکیم میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾﴾ (الانبیاء)

''جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں جیسے خطوں کا طومار لپیٹ لیتے ہیں، جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے (یہ) وعدہ (جس کا پورا کرنا لازم) ہے، ہم ایسا ضرور کرنے والے ہیں۔''

اللہ کی ہستی جو کائنات کی خالق ہے، کی معرفت اُس کے اسماء وصفات کے ذریعے ہو سکتی ہے اور جہاں تک ذات باری تعالیٰ کا تعلق ہے، تو یہ ہماری عقل وفہم اور ہمارے تخیل اور تصور سے ماوراء، وراء الوراء ثم وراء الورا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کا چہرہ، اللہ کے ہاتھ کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کی حقیقت کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔ ہماری مثال تو اُس اندھے کی سی ہے، جو ایک بہت بڑی دیوار کے پاس جائے اور ٹٹولے تو اُسے یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ میرے سامنے دیوار ہے، مگر یہ دیوار کتنی اونچی ہے؟ یہ کتنی چوڑی ہے؟ یہ بات وہ معلوم نہ کر سکے گا۔ اللہ کی ذات کے بارے میں اصل علم یہی بات ہے کہ ہم اس کی ذات کو نہیں جان سکتے۔ اُس کی معرفت کا ذریعہ صرف اُس

کی صفات ہیں۔ یہی بات ایمان مجمل میں کہی گئی ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ ؕ

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے حوالے سے بھی ہماری limitations ہیں۔ مثلاً اللہ بصیر ہے۔ وہ دیکھتا ہے، مگر کیسے دیکھتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ کیا اس کی کوئی آنکھ ہے؟ کیا وہ بھی (معاذ اللہ) دیکھنے کے لیے روشنی کا محتاج ہے؟ اسی طرح اللہ سمیع ہے مگر کیسے سنتا ہے؟ کیا اُس کے بھی کان ہیں؟ کیا اُسے بھی صوتی لہروں (sound waves) کی ضرورت ہے جو کانوں سے ٹکرائیں۔ اسی طرح اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ مگر کتنا قادر ہے، ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ بہر کیف ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی صفات کے حوالے سے پہچانیں۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام اچھے نام اللہ کے ہیں۔ تم جس نام سے بھی چاہو اُسے پکارو، اُسے اللہ کے ساتھ پکارلو یا رحمٰن کے ساتھ، جس نام سے پکارو گے یہ جان لو کہ تمام اچھی صفات اسی کی ہیں، اور یہ صفات بتمام وکمال ہیں۔ اللہ علی کل شیءٍ قدیر ہے۔ وہ بکل شیءٍ علیم ہے۔ وہ ہر چیز کا دیکھنے والا ہے۔ اپنی ذات میں تنہا ہے۔ اُس کی ذات وصفات اور اختیارات میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس کی کوئی مثل، مثال اور مثیل نہیں اور نہ اُس کا کوئی نداور کفو ہے۔ یہ ہے اللہ کی ذات کے بارے میں ہمارے تصورات کا خلاصہ۔

اب آیئے، ایمان بالآخرت کی طرف۔ اللہ نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا، اور اس کائنات میں اُس کی تخلیق کا نقطۂ کمال انسان ہے۔ (اس کی تفصیل میں بعد میں بیان کروں گا) انسان کی زندگی یہی چند روزہ نہیں، جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حیات انسانی یہی 60 یا 70 برس ہے۔ اگر کسی کی عمر اور زیادہ بھی ہوگئی تو وہ 90 یا 100 برس کا ہو جائے گا۔ یہ تصور درست نہیں۔ دیکھئے، انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اُسے مسجود ملائک بنایا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا: ﴿قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ﴾ (آیت:75) ”فرمایا کہ اے ابلیس جس (آدم) کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔“ دونوں ہاتھ کون سے ہیں؟ ایک عالم امر ہے اور دوسرا عالم خلق ہے۔ یہ دونوں عالم اللہ کی ذات میں جمع ہیں یا پھر اشرف المخلوقات انسان کی ذات میں۔ انسان کے علاوہ پوری کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جس میں عالم خلق اور عالم امر دونوں جمع ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ)) (متفق علیہ) ”اللہ عزوجل نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا“ اندازہ کیجیے، انسان کا اس سے اونچا مقام اور کیا ہوگا۔ کیا ایسی عظیم ہستی کی زندگی بس یہی 60، 70 برس ہوگی، جبکہ اس مختصر عرصۂ زندگی میں سے بھی کچھ عرصہ بچپن میں گزر جاتا ہے، جب کہ انسان کو ہوش ہی نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کے بڑھاپے میں حواس صحیح سلامت نہیں رہتے، اور یادداشت ختم ہوجاتی ہے۔ باقی شعور کی عمر کتنی رہ جاتی ہے۔ کیا یہ مختصر دورانیہ انسان کی زندگی ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ انسان کی زندگی یہی ماہ وسال نہیں بلکہ یہ بہت طویل ہے۔ دنیا کی زندگی تو اس طویل زندگی کا ایک وقفہ ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

(جاری ہے) [مرتب: محبوب الحق عاجز]

بانی تنظیم اسلامی وداعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کی سیرتِ رسول ﷺ پر چند فکر انگیز تصانیف

پتہ: مکتبہ خدام القرآن، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔
042-35869501-3
e-mail:maktaba@tanzeem.org

اصطلاحات کی جنگ اور ہمارے ذرائع ابلاغ کا کردار

کامران زاہد

اصطلاحات کی اہمیت:

21 ویں صدی کا کوئی بھی ذی شعور شخص اصطلاحات کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں چند ایک مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اصطلاحات کی اہمیت اور نکھر کر سامنے آئے گی، اور معلوم ہوگا کہ ہر اصطلاح بذات خود ایک جہان، ایک نظریہ، ایک تہوار یا ایک موقع کی غمازی کرتی ہے، اور اس اصطلاح کی اپنی افادیت اور اثر ہوتا ہے۔

کیا آپ نے غور کیا کہ جب بسنت کی مخالفت ہوئی تو حکومت نے کیا چال چلی؟ وہی تہوار، وہی حرکتیں، وہی بے ہودگی، وہی سب کچھ اور اس کا نام رکھ دیا گیا جشنِ بہاراں، اور پھر ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ ہم تو بہار کا جشن منا رہے ہیں۔ اسی طرح جب مقتدر طبقے نے دیکھا اور محسوس کیا کہ مسلمانوں کی غیرت گانے بجانے اور گانے بجانے والے لوگوں کو قبول نہیں کرتی تو کیا ہوا؟ کیا گانا بجانا بند ہو گیا؟ نہیں، بلکہ گانے بجانے کو گلوکاری کا نام دے دیا گیا، اور اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ میراثیوں سے ہدایت کار اور فنکار بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر Celebrities بن گئے۔ ناچنے جیسے بے حیا کام کو "پرفارمنگ آرٹس" کا نام دیا گیا۔ اسی طرح جب دیکھا گیا کہ لوگ ایڈز سے نفرت کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ایچ آئی وی کا سابقہ لگا دیا گیا، تاکہ اس خاص مرض سے لوگوں کی نفرت کم ہو سکے۔ پھر طوائفوں کو Prostitutes اور Call Girls سے Commercial Sex Workers کا خطاب دیا گیا۔ پھر 'اہلِ عقل' نے سوچا اس طرح تو ان لوگوں کی تذلیل کا پہلو نکلتا ہے سو اب ان کو Female Sex Workers یا FSWs کا نام دے دیا گیا۔ ہیجڑوں اور عملِ قومِ لوط میں ملوث خبیث افراد کو MSMs کا نام دیا گیا۔ پھر لوگوں کو ان نئی اصطلاحات سے اس طرح مانوس کیا گیا کہ ان کے اذہان سے پرانے الفاظ کی جگہ ان نئے الفاظ اور اصطلاحات نے لے لی۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ ان اصطلاحات کو وضع کرنے اور ان کی تشہیر کرنے میں ذرائع ابلاغ کا کردار کتنا اہم ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بیشتر اخبارات، جرائد اور ٹیلی ویژن کے بہت سے ذمہ دار افراد حرب الاصطلاحات یعنی اصطلاحات کی جنگ کے سیلاب میں بہے چلے جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ (النحل)

"کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو۔ سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔"

ابنِ کثیر اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا رستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جو خود ہی چیزوں کو حلال و حرام قرار دے کر اپنی متفقہ آراء سے انہیں کوئی نام دے دیتے تھے، مثلاً: بحیرہ، وصیلہ، سائبہ، حام اور ایسے ہی دیگر نام (اصطلاحات) جو انہوں نے اپنے دورِ جاہلیت میں خود وضع کیے تھے اور اب وہ ان کے قانون کا حصہ بن چکے تھے۔" (تفسیر ابنِ کثیر: 2-591)

دورِ جدید کے کفار کی طرف سے گھڑی گئی اصطلاحات بھی اسی آیت کے ذیل میں آتی ہیں، مثلاً کفار کا یہ کہنا کہ فلاں چیز بین الاقوامی طور پر ممنوع ہے، بین الاقوامی قانون سے متصادم ہے، انسانی حقوق کے چارٹر کی روشنی میں ناجائز ہے، جنیوا معاہدات کی رو سے غلط ہے وغیرہ۔ علاوہ ازیں بے شمار دیگر اصطلاحات ہیں، جو آج کل مغربی اثرات کی وجہ سے ہمارے معاشروں میں در آئی ہیں، یہ سب بھی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں آتی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی اتحاد برائے انسدادِ دہشت گردی اور بجائے خود دہشت گردی، بنیاد پرستی، انتہا پسندی، قدامت پسندی، عسکریت پسندی، روشن خیالی، اعتدال پسندی اور گوریلا وار جیسی اصطلاحات کفار کی اسی حرب الاصطلاحات کا ایک حصہ ہے۔ ان اصطلاحات کو زبان زد عام کرنے میں ذرائع ابلاغ بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

اصطلاحات کیسے بنتی ہیں؟

مجھے ایک زمانے میں ایک ایسے پراجیکٹ میں کام کرنے کا تلخ تجربہ ہوا، جس میں یہی حرب الاصطلاحات کارفرما تھی۔ مثلاً اگر ایک این جی او یا تھنک ٹینک یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے علماء سے متنفر کیا جائے تو مختصراً سارا کام اس طرح کیا جاتا ہے کہ پورے پاکستان سے ذہین افراد کو کانفرنس یا ورکشاپ کے بہانے اکٹھا کیا جاتا ہے۔ تمام افراد اپنے ذہنوں کو کام میں لاتے ہیں اور احترام پر مبنی ان الفاظ کی فہرست تیار کی جاتی ہے جن سے علماء کو معاشرے میں بلایا جاتا ہے۔ ان الفاظ، ان کے معانی اور ان کے مفاہیم پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے۔ پھر ان کے مدمقابل الفاظ تیار کیے جاتے ہیں اور انہیں معاشرے میں عام کرنے کے لیے مختلف طریقوں پر غور کیا جاتا ہے اور بالآخر متفقہ الفاظ کی فہرست جاری کر دی جاتی ہے۔ پھر ان الفاظ اور اصطلاحات کو فروغ دینے کے لیے ذرائع ابلاغ کا چناؤ کیا جاتا ہے۔

انہی این جی اوز کے لوگ واپس جا کر اپنی اپنی این جی اوز میں ان اصطلاحات کو نافذ کرتے ہیں اور اس طرح ان کے سوشل ورکرز ان اصطلاحات کو معاشرے میں پھیلانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ انہی سوشل ورکرز کو ان اصطلاحات کا استعمال اس طرح کروایا جاتا ہے کہ اگر کوئی ورکر از راہِ مذاق بھی کوئی 'ممنوعہ' اصطلاح استعمال کرے تو باقی اسے سخت سرزنش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ باطل اصطلاحات اس کے مزاج اور فطرت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ سارا کام مختلف سیشن میں مرحلہ وار کیا جاتا ہے، اور کئی دفعہ تو

ورکرز کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے ذریعے سے کتنا بڑا شر پھیل رہا ہے۔ اگر آپ دقتِ نظر سے دیکھیں تو آپ کے سامنے ایک لمبی چوڑی فہرست آ جائے گی۔

مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے بھی نت نئی اصطلاحات ایجاد کی گئیں، مثلاً معتدل اسلام، شدت پسند اسلام، لبرل اسلام۔ جہاد کو دہشت گردی کہا گیا۔ جہادیوں کو عسکریت پسند کا لقب دیا گیا۔ اسلام پر مکمل عمل کرنے والوں کو ملا اور مولوی سے بڑھ کر بنیاد پرست اور انتہا پسند کا نام دیا گیا۔ اپنی روایات پر فخر کرنے والے قدامت پسند ٹھہرائے گئے، اور اِس کے بالمقابل بے ہودگی اور بے حیائی کو 'فیشن' کا نام دیا گیا۔ کفریہ تہذیب کو 'سٹیٹس' سے تعبیر کیا گیا اور اس رو میں بہہ جانے والوں کو 'ترقی پسند' اور 'روشن خیال' کہا گیا۔ اپنی مرضی کے اسلام پر عمل کرنے والے 'اعتدال پسند' قرار دیے گئے۔

اب اسی معاملے کو دوسرے انداز سے دیکھیں۔ بعض اصطلاحات فی نفسہ بری نہیں ہوتیں لیکن ان کے اثرات بہت مضر ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بعض اوقات عرصہ دراز کے بعد ہی سامنے آ پاتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں، عیسائیوں اور کمیونسٹوں کو 'غیر مسلم' کہہ دینے میں بظاہر کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا، لیکن 'کفار' کو 'غیر مسلم' کہنے میں بڑا نقصان ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ لفظ 'کافر' میں جو ایک فطری بغض، حقارت، نفرت اور برأت ہے، وہ لفظ 'غیر مسلم' میں کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی اور اس کے مستقل استعمال سے ''دوستی صرف مسلمانوں سے'' کا تصور کہیں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ انہی خطرات کے پیشِ نظر ہمارے اسلاف نے کفار کے لیے کبھی بھی 'غیر مسلم' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

اسی طرح 'مشرق وسطیٰ' کا معاملہ ہے۔ کفار نے عالمی جغرافیائی حالات کو دیکھتے ہوئے بڑی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے 'عرب ممالک' کی جگہ ایک نئی اصطلاح متعارف کروائی اور وہ تھی 'مشرق وسطیٰ'۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو 'مشرق وسطیٰ' اور 'مڈل ایسٹ' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس کا نقصان کیا ہے۔ نقصان یہ ہے کہ اسرائیل ایک غیر عرب ملک ہے اور وہ 'عرب ریاستوں' یا 'عرب ممالک' میں کہیں بھی جگہ نہیں پا سکتا تھا، لیکن 'مشرق وسطیٰ' میں اسرائیل نہ صرف آسانی سے سما گیا بلکہ پھلنے پھولنے کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پر ہمارے لئے قابل قبول بھی بنتا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس اصطلاح کو بالکل رد کر دیا جانا چاہئے۔

باطل اصطلاحات کا نقصان

ان باطل اصطلاحات سے ہر شخص کا لازماً واسطہ پڑتا ہے اور سوال کیے جاتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد، بنیاد پرست اور قدامت پسند ہیں یا نہیں۔ اس ضمن میں ہم مسلمان بھی جب ان اصطلاحات کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو عموماً دو ہی طرح کے رویے سامنے آتے ہیں؛ انکار یا پھر اقرار۔

انکار کی صورت میں ہم اپنی صفائیاں پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھیں بنیاد پرست تو کہتے ہیں......، دہشت گردی کا مطلب ہے......، قدامت پسندی تو...... اور پھر ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان صفات سے ہمارا تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اقرار کی صورت میں ہم سوالات کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر کہتے ہیں کہ 'ہاں اگر انصاف کے لیے لڑنا دہشت گردی ہے تو ہم دہشت گرد ہیں، اگر یہ بنیاد پرستی تو ہم ہیں بنیاد پرست ہیں، ہم انتہا پسند، عسکریت پسند ہیں، وغیرہ۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ہی طریقے بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کے تشخص کے لیے نقصان دہ ہیں۔ یہ اصطلاحات (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) بہت عرق ریزی اور محنت کے بعد ایجاد کی جاتی ہیں) دو دھاری تلوار کا کام کرتی ہیں۔ کفار خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا اعمال ہیں جنہیں وہ دہشت گردی کہتے ہیں، وہ کیا عقائد ہیں جنہیں وہ بنیاد پرستی اور قدامت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں، لہٰذا اگر رویہ انکار کا اپنایا جائے تو کفار بغلیں بجاتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ اب مسلمان 'روشن خیال' ہو رہے ہیں، 'قدامت پسندی' اور 'بنیاد پرستی' اب دم توڑ رہی ہے۔ اس دم توڑنے سے کیا مراد ہے، ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ اب اسلام کا وہ ایڈیشن قبول کیا جا رہا ہے جو کفار اور مغرب کے لیے قابل قبول ہے۔ اور اگر جوش میں آ کر مذکورہ بالا الزامات کو قبول کر کے اقرار کا رویہ اپنایا جائے تو بھی کفار کا موقف بھی ہوتا ہے کہ دیکھا، ہم نہ کہتے تھے، یہ مسلمان تو ہیں ہی دہشت گرد، انتہا پسند، اب انہوں نے خود ہی اقرار بھی کر لیا ہے۔ یوں گویا ہم خود ہی ان الزامات پر مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔

پس چہ باید کرد؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟ ان اصطلاحات کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ میری ناقص رائے میں ہمیں یہ رویہ اپنانا چاہئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اپنی ذاتی زندگیوں میں، اپنی گفتگوؤں اور مباحث میں ان باطل اصطلاحات کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جائے، ان کا استعمال ترک کیا جائے اور امت مسلمہ میں اِن کے استعمال کے نقصانات کا شعور اجاگر کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کے وہ افراد جن کے دلوں میں خوف خدا موجود ہے، اور وہ امت کا بھلا چاہتے ہیں، ان کو اس ضمن میں اپنا کردار ادا کرنے کی بھرپور سعی کرنی چاہئے۔ پھر یہ کہ اس کے لیے ہمیں دفاعی اور اقدامی دونوں انداز اختیار کرنے چاہئیں۔

دفاعی

اگر ہم سے سوال سیدھا پوچھا جائے کہ آپ (مسلمان) دہشت گرد، بنیاد پرست، قدامت پرست ہیں یا نہیں؟ تو اس سوال کے دو ممکنہ جوابات ہوسکتے ہیں۔

1) ہم اس سوال اور اس میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کو اتنا ہی فضول اور بوگس سمجھتے ہیں جتنا ان اصطلاحات کے موجد کو۔ اور الٹا پوچھنے والے پر ہی سوال داغ دیا جائے 'کیا آپ نے یہ سوال اس لئے پوچھا ہے کہ آپ ہمیں (مسلمانوں) کو صحیح طور پر جان سکیں؟ تو اس سوال کے دو جوابات ہوسکیں گے۔

اوّل: مدمقابل کہے 'جی! میرا مقصد یہی ہے' تو اس کو یہ جواب دیا جائے کہ اگر آپ ہم مسلمانوں کو جاننا چاہتے ہیں اور ہمارے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا چاہتے ہیں تو اپنے الٹے سیدھے مفروضے اور سوالات مت آزمائیں، آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ہم کون ہیں، ہمارے طور اطوار کیا ہیں اور ہمارے عقائد کیسے ہیں۔ پھر اُسے احسن انداز سے اسلام کے بارے میں سمجھایا جائے، لیکن اس میں بھی حد درجہ احتیاط ہو کہ باطل اور بوگس اصطلاحات کو کسی قیمت پر بھی استعمال نہ کیا جائے۔

دوم: مدمقابل انکار کر دے (جس کا بہت ہی کم امکان ہے) 'نہیں، میرے سوالات کا مقصد آپ کو جاننا نہیں ہے'، تو اس کا جواب بہت آسان ہے۔ جب آپ نے خود ہی اقرار کر لیا ہے کہ آپ کی نیت اور مقصد نیک نہیں ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کی تضحیک اور تمسخر چاہتے ہیں، لہٰذا ان

سوالات کا جواب دینا اتنا ہی لغو اور فضول ہے جتنا کہ آپ کا مقصدِ سوال!

اقدامی

معروف مقولہ ہے کہ بہترین دفاع اقدام ہوا کرتا ہے۔ تو اس ضمن میں اقدامی حل یہ ہو سکتے ہیں کہ: متفقہ طور پر مل جل کر ان اصطلاحات کی نشاندہی کی جائے اور علی الاعلان ان سے برأت کا اعلان کیا جائے۔ ان کا شعور امت مسلمہ میں عام کیا جائے، امت کو ان باطل اصطلاحات کے استعمال سے ہونے والے نقصانات سے آگاہ کیا جائے، بلکہ ایک قدم بڑھ کر کفار سے چیلنج کے انداز میں پوچھا جائے کہ انہوں نے اس قدر لغو اور گھٹیا اصطلاحات ایجاد کرنے اور انہیں مسلمانوں پر منطبق کرنے کی جرأت کیسے ہوئی (اگرچہ موجودہ صورتحال میں یہ انتہائی مشکل نظر آتا ہے، بہرحال غیرت وحمیت کا تقاضا یہی ہے)۔

ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد اس موضوع پر کالم، مضامین اور تحریریں لکھیں، اپنی نجی محفلوں میں اس کا تذکرہ کریں۔ وہ افراد جو براہ راست عوام سے مخاطب ہوتے ہیں یا ان تک خبریں وغیرہ پہنچانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، مثلاً ایڈیٹر، پروڈیوسر، نیوز اینکرز اور رپورٹرز، ان کو بالخصوص اس سنجیدہ مسئلہ پر سوچ بچار کرنی چاہئے اور عملی اقدامات اٹھانے چاہئیں۔

دعا ہے اللہ ہمیں اپنے دین کی صحیح سمجھ اور فہم عطا فرمائے۔ (آمین)

کیا آپ جاننا چاھتے ھیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (۱۱۔۱۲۱)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

کوڑا پھینکنے والی عورت اور ناموس رسالت کا قانون

میجر (ر) محمد اکرام

سلمان تاثیر کے قتل کے ساتھ ہی تمام ٹی وی چینلز کو ناموس رسالت قانون پر بحث کے لئے نیا موضوع مل گیا۔ تمام سرکاری اہلکار اور دانشور صبر اور تحمل کا سبق دیتے ہوئے اس عورت کا ذکر کرتے ہیں جو حضور ﷺ پر روزانہ کوڑا پھینکتی تھی۔ ایک دن کوڑا نہ پھینکا تو استفسار پر پتہ چلا کہ عورت بیمار ہے، جس پر حضور ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک کسی عالم دین نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ جس سے بھی تاثر ابھرتا ہے کہ سرکاری دانشوروں کا جن میں دو تین خواتین خاص طور پر قابل ذکر ہیں موقف گویا درست ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون o

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضور ﷺ کی نبوی زندگی کے دو ادوار ہیں: ایک مکی اور دوسرا مدنی۔ مکی دور صرف دعوت دین کا دور ہے، جس میں حضور ﷺ نے صرف اللہ جل شانہ کی وحدانیت، اسی کی عبادت کرنے، بت پرستی ترک کرنے، اللہ سے ڈرنے، قیامت کے برپا ہونے، حساب کتاب کے نتیجے میں جزا اور سزا کے طور پر جنت کی خوش خبری اور دوزخ کے رسوا کن عذاب سے ڈرانے کا درس دیا۔ اس کام میں جو بھی مشکلیں اور تکلیفیں پیش آئیں، اُن کو آپ اور آپ کے صحابہ ؓ نے برداشت کیا اور آپ نے اُمت کے سامنے صبر کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمادیا۔ آپ پر طعن و تشنیع ہوئی، آپ کی شان میں نازیبا باتیں اور گستاخیاں ہوئیں، آپ پر کوڑا پھینکا گیا، راستے میں کانٹے بچھائے اور گڑھے کھودے گئے، آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا گیا۔ مگر آپ اور آپ کے صحابہ ؓ نے جوابی اقدام نہیں کیا۔ اس لیے کہ ابھی آپ مرحلہ دعوت میں تھے اور کسی قسم کی مزاحمت حتیٰ کہ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ سب کچھ اس وقت کے اور بعد آنے والے مسلمانوں کی تربیت کے لئے تھا، جنہوں نے اللہ کے پیغام کو آگے پہنچانا تھا۔

جب مکہ میں تبلیغ دین کے لئے حالات سازگار نہیں رہے تو آپ کو مدینے کی طرف ہجرت کا حکم ملا۔ سفر ہجرت کے دوران اذن قتال سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ اللہ نے مسلمانوں کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے، اور انہیں قتال کی اجازت دے دی، جس سے ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اُنہوں نے کفار کے خلاف جنگیں لڑیں۔ وہیں پھر اللہ نے مسلمانوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے، ان سے گفتگو کرنے کے آداب سکھائے اور اس حوالے سے کوتاہی پر ناقابل معافی خوفناک انجام سے بھی آگاہ کر دیا، اگرچہ وہ کوتاہی نادانستہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنے اور توہین کرنے والوں کی سزا بھی بتا دی، جس پر حضور ﷺ کی زندگی میں بھی عمل ہوا اور بعد میں بھی، اور ان شاء اللہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

مذکورہ تفصیل سے توہین رسالت کے جرم کی سزائے موت کے حوالے سے کوئی ابہام نہیں رہنا چاہیے۔ مکی دور کے واقعات کی مثال دے کر ناموسِ رسالت کے قانون کے خلاف بحث یا تو کوئی کافر کر سکتا ہے یا پھر جاہل (یاد رہے کہ کوڑا پھینکنے والی عورت کا واقعہ مکی دور کا ہے)۔ ''سرکاری'' دانشوروں سے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں، میری گزارش ہے کہ جتنی محنت اور سرمایہ انہوں نے اپنی دنیا سنوانے پر خرچ کیا ہے کم از کم اس کا دسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم صحیح دینی علم کے حصول پر خرچ کر دیں تو بہت جلد وہ اتنا علم حاصل کر لیں گے جتنا عام علماء کے پاس ہوتا ہے، کیونکہ یہ لوگ بہرحال ذہین ہوتے ہیں۔ آخر میں گزارش ہے کہ یہ لوگ وفاقی وزیر قانون سے ہی پوچھ لیں کہ اس مسئلے میں کوڑا پھینکنے والی عورت کی مثال دینا درست ہے؟ آخر وہ بھی تو عالم دین ہیں؟

اِن کے بس کا روگ نہیں

عبدالرحمٰن اثری

اللہ رب العالمین نے ہر انسان کو کسی نہ کسی چیز میں مہارت دی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ جس چیز میں اس کو سمجھ بوجھ دی گئی ہے اُسی میں اپنی رائے دے، اسی حوالے سے اظہار خیال کرے اور اسی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہوئے کافی سمجھے۔ کسی اور جگہ اسے منہ مارنے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ اپنے پلیٹ فارم سے ہٹ کر کسی اور فن میں اظہار خیال کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کا یہ عمل دو باتوں سے خالی نہ ہوگا۔ ایک یہ کہ اس فن میں اس کا گویا ہونا کسی اور کے کام میں دخل اندازی کا باعث بنے گا اور کسی اور کے کام میں رخنے ڈالنے کے مترادف ہوگا اور یہ چیز اس کی ساکھ کو خراب کرے گی۔ دوسرے اپنی چراہ گاہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ منہ مارنا اور گفتگو کرنا اُس کے لیے خطرہ جان بھی بن سکتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ''نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان''۔

انسان کے پاس ایک چیز کی قابلیت آ جانے سے وہ تمام میدانوں میں شہسوار نہیں بن جاتا کہ اب اس کی مرضی ہے جہاں چاہے منہ مار لے، جس چیز کے بارے میں چاہے لب کشائی کرنے بیٹھ جائے۔ آدمی جن علوم کی الف ب سے نا آشنا ہو، اُن کے حساس معاملات پر گفتگو کرنے بیٹھ جائے تو سوائے اس کی عقل پر ماتم کرنے کیا اور کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک کسان، کھیتوں میں بسیرا کرنے والا شخص شہر میں آ کر کسی ہسپتال کے آپریشن تھیٹر میں کسی طرح گھس جائے اور ماہر سرجنوں کو اس حوالے سے ہدایات اور مشوروں سے نوازنا شروع کر دے، تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ اور وہاں موجود اسپیشلسٹ اس کسان کے لیے کن کن انعامی تمغوں کی لسٹ اپنے ذہنوں میں تیار کر رہے ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایک اردو ادب میں مہارت رکھنے والا شخص جس کا اوڑھنا بچھونا صرف اردو ادب ہو اور اس کا اس میدان میں لوہا مانا جاتا ہو، وہ اٹھے اور دین اسلام کے شعائر کے حوالے سے عوام الناس کی رہنمائی کرنے بیٹھ جائے، انتہائی حساس دینی مسائل پر گفتگو کرنے لگ جائے اور اخباری کالم کا موضوع ان حساس مسائل کو بنا لے تو کیا اُس پر اوپر والی مثال صادق نہیں آئے گی۔ یقیناً اُس پر کسان والی مثال چسپاں ہوگی۔ اگر آپ میری بات سے اتفاق نہیں کرتے، اور اس بات پر مُصر ہیں کہ ایک شخص دینی علم نہ رکھنے کے باوجود حساس دینی موضوعات پر رائے زنی کر سکتا اور من گھڑت خیالات پیش کر سکتا ہے، تو پھر میڈیکل کے علم سے بے بہرہ کسان کا لیکچر سننے اور اُس کے مشورے ماننے میں کیا حرج ہے۔ جب ایک ڈاکٹر، ایک انجینئر، ایک سائنسدان کسی کی دخل اندازی کو قطعاً برداشت نہیں کرتا اور فوراً اس پر آگ بگولا اور لال پیلا ہو جاتا ہے تو پھر دینی شعائر کے بارے میں ایک لکھاری اور کالم نویس کی لب کشائی کو اُس کا حق تصور کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

ان لوگوں کی دینی معاملات میں دخل اندازی کی ایک بڑی وجہ معاشرے سے علماء حق کا اٹھ جانا ہے۔ علماء فوت ہو گئے، لوگوں نے ان چینلوں کے پروگراموں میں شرکت کرنے والے اخباری نمائندوں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کو اپنا دینی پیشوا سمجھ لیا، ان کی رائے کو اہمیت دی جانے لگی۔ چنانچہ یہ دین کی الف ب سے نا آشنا لوگ قوم، معاشرے کے مفتی بن کر بڑی ڈھٹائی سے دینی معاملات اور دینی شعائر کے حوالے سے اپنی زبانیں چلانے لگے۔ نتیجتاً قوم و معاشرہ تباہی کے دہانے پر جا پہنچے۔

ہمارا من حیث القوم اس کیفیت سے دوچار ہونا ایک حدیث نبوی ﷺ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں) سے نکال لے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو جاہلوں کو سردار بنا لیں گے اور ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' یعنی معاشرہ جب علماء سے خالی ہو جاتا ہے تو لوگ اپنا پیشوا جاہل لوگوں کو بنا لیتے ہیں جو اپنی لاعلمی کے باوجود دینی مسائل کا حل بتانے لگ جاتے ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور قوم کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ یہی حال ہمارے ان نام نہاد کالم نگاروں اور منبر و محراب سے دھتکارے ہوئے مختلف چینلوں پر آ بیٹھنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ آئے روز کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنے تئیں ان کا وہ ''فتویٰ'' عوام الناس کو راہ راست پر لانے کے لیے ایک عظیم کاوش ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ عوام الناس کی گمراہی کے سامان سے ہوتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ ان مسائل پر گفتگو کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اپنی ''دانشورانہ'' رائے کو معاشرہ کے لیے ہدایت اور روشنی کی کرن سمجھتے ہوئے انتہائی دردمندانہ انداز میں ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں کہ یہ کالم نویس، اردو داں دین کے انتہائی حساس معاملات پر بات کریں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں) سے نکال لے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو جاہلوں کو سردار بنا لیں گے اور ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

وطن عزیز پاکستان میں جب عورت کی حکمرانی کا مسئلہ اٹھا تھا تو اس وقت بھی ایسے ہی ایک نام نہاد مفتی نے اپنی رائے دینا ضروری سمجھی اور صحیح بخاری کی ابوبکرہ ؓ کی اس روایت کے بارے میں کہ جب نبی ﷺ کو خبر ملی کہ فارس کے لوگوں نے کسی کی بیٹی کو بادشاہ بنا لیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کی۔ اپنے اخباری کالم میں اپنے تئیں عوام کی ''اصلاح'' کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث ابوبکرہ راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس مفتی نے نہ تو صحیح بخاری کی روایت کا کچھ لحاظ کیا، جس کے صحیح ہونے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے، اور کوئی غیر مسلم ہی اس سے اختلاف کرسکتا ہے اور نہ اس صحابی رسول ابوبکرہ ؓ کا کچھ پاس کیا، حالانکہ صحابہ کو رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا سرٹیفکیٹ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں دیا ہے۔

اسی طرح کی ایک مثال کچھ عرصہ قبل سامنے آئی۔ کسی کالم نگار مفتی نے ''ایک اذان'' کا شوشہ چھوڑ دیا کہ جی اذانیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس سے مریضوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ نرم بستروں پر لمبی تان کر سونے والوں کے خراٹوں میں اذانوں سے خلل واقع ہوتا ہے، لہٰذا اس معاملے کا حل یہ ہے کہ صرف ایک ہی اذان اسلام آباد میں دی جائے، جو ہر علاقہ میں نشر ہو اور بس۔ سوال یہ ہے کہ کیا اذان سے نیند خراب ہوتی ہے اور یہ مریض کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ ان لوگوں کو موسیقی نظر نہیں آتی جس نے عوام کا جینا دوبھر کردیا ہے، خصوصاً شادی بیاہ کے مواقع پر تو موسیقی اہل علاقہ کی نیندیں اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ اس پر تو کسی کو اعتراض نہیں۔ اِس بارے میں تو کوئی بھی ''مفتی'' لب کشائی کرنا پسند نہیں کرتا اور اذان جو اسلامی شعار ہے اس کو آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے۔ یہ حال ہے ان لوگوں کا جو یہ سمجھتے ہیں کہ کالم لکھنا آ جائے، اردو ادب سے ناتا، جڑ جائے تو انسان کو اس بات کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دینی مسائل میں بھی رائے دینا شروع کردے اور اس حوالے سے گتھی سلجھانے کا اہل بن جائے۔ حالانکہ ان اہم مسائل پر بات کرنا ان لوگوں کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا نہیں اس معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے۔ عوام الناس کو بھی ایسے لوگوں کے خیالات کے حوالے سے محتاط رہنا چاہیے۔ عوام کا کام ہے کہ ایسے نام نہاد مفتیوں کی حوصلہ شکنی کریں، ان کو کسی بھی پذیرائی کے قابل تصور نہ کیا جائے۔ ورنہ یہ لوگ انتہائی خطرناک صورت اختیار کر کے سادہ لوح عوام کے عقائد واعمال کو بگاڑ کر دین اسلام کے نقصان اور اُمت میں انتشار کا باعث بنیں گے۔ یہی آج کل ہو رہا ہے۔

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد (مرد حضرات) کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاھی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

فھم دین کورس

موڈیول I اور موڈیول II

کا 14 فروری 2011ء سے آغاز ہو رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

مضامین ☆ تجوید وقراءت ☆ عربی گرامر ☆ دینی موضوعات پر لیکچرز

نوٹ: موڈیول II میں داخلے کے خواہش مند حضرات کی موڈیول I میں شرکت ضروری ہے۔

دورانیہ: 4 ماہ ...... **اوقاتِ تدریس:** مغرب تا عشاء (سوموار تا جمعرات)

داخلے کے خواھش مند حضرات

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور پُر کر کے 14 فروری 2011ء تک وہیں جمع کرادیں

فون: 3-35869501 ای میل Email:irts@tanzeem.org

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے ناظم بیت المال مشتاق احمد راٹھور کی والدہ وفات پاگئیں
- تنظیم اسلامی ڈیفنس کراچی کے بریگیڈیر کامران قاضی کی والدہ، عابد کی سالی اور رفیق مشتاق حسین ساجد وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی گلستان جوہر I کراچی کے امیر جناب عارف فیاضی کے چچا اور گلستان جوہر II کے رفیق عشرت رشید احمد کی والدہ وفات پاگئیں۔
- تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد کراچی کے رفیق سید محمد اسلم کی والدہ اور گلزار ہجری کی رفیقہ اُم عماز کے شوہر وفات پاگئے۔
- تنظیم اسلامی باجوڑ کے رفیق شاہد لطیف کے سر انتقال کرگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومات کی مغفرت فرمائے۔ قارئین سے بھی دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حسابًا یسیرًا

فاشسٹ، شدت پسند

اوریا مقبول جان

ابلاغ عامہ کے شعبے میں یونیورسٹی کے اساتذہ جمع تھے۔ میں ایک لیکچر کے لیے وہاں گیا۔ وہاں اس ملک کی ایک بزرگ اور مشہور پروفیسر بھی موجود تھیں۔ وہ ثقافتی معاملات میں گفتگو کرنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ زبان و بیان انتہائی شستہ ہے۔ لاہور کی تہذیب پر ان کا بہت کام ہے۔ لیکچر سے پہلے دفتر میں بیٹھے ہوئے پاکستانی معاشرے کے زوال پر گفتگو ہو رہی تھی اور یہاں پر موجودہ بددیانتی، معاشرتی اونچ نیچ، حکمرانوں کی بداعمالیاں اور کرپشن پر بات چلی تو ان خاتون کے منہ سے ایک ایسا فقرہ نکلا جو میں ان جیسی پڑھی لکھی اور صاحب زبان و بیان بزرگ خاتون سے تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ انہوں نے روانیٔ بیان میں ان ساری بددیانتیوں اور بداعمالیوں کے ذکر پر جھٹ سے کہا ''یہ ہے ان کا اسلام''۔ میں وہاں تو ان کے احترام کی وجہ سے چپ رہا لیکن جب لیکچر کے بعد ایک طالبہ نے سوال کیا کہ یہ لبرل فاشسٹ کیا ہوتا ہے تو وہ سارا درد اُمڈ کر میرے الفاظ میں آ گیا جو اِس فقرے سے میں نے محسوس کیا تھا۔ یہ لبرل فاشسٹ صرف پاکستان میں ہی پائے جاتے ہیں جو خود کو سیکولر اور لبرل کہلاتے ہیں لیکن ان کا سارا زورِ کلام اس ایک فقرے پر ٹوٹتا ہے۔ ''یہ ہے اسلام''۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی قاتل، چور، ڈاکو، بددیانت شخص نظر آئے یا اُس کے ظلم کی داستان بیان ہو تو کوئی نہیں کہتا ''یہ ہے عیسائیت'' یا ''یہ ہے یہودیت'' بلکہ اُسے اُس شخص کا انفرادی فعل سمجھ کر اُس پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں ''سیریل کلر'' یعنی ایک ترتیب سے اور ایک ہی وجہ سے کئی سو قتل کرنے والے افراد کی فہرست میں سب سے پہلا نام جیک دی ریپر کا ہے جو لندن میں ایک خاص جنون کے تحت شہر کی طوائفوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ 1888ء میں لندن میں آباد 62 بازارِ حسن اُس کی شکار عورتوں کی کٹی پھٹی لاشوں سے سجنے لگے۔ وہ اپنے خنجر سے اپنی اخلاقیات نافذ کر رہا تھا لیکن کسی نے کبھی بھی اُس کے مذہب عیسائیت کو کسی تبصرے میں موضوع گفتگو نہ بنایا۔ 1888ء سے آج تک ایسے جنونی قاتلوں کی تعداد امریکہ اور یورپ میں ہزاروں میں گنی جاتی ہے۔ کوئی بیوٹی کوئین کلر ہے تو کوئی ریور سائیڈ کلر، کوئی فری وے کلر ہے تو کہیں الیزبتھ بیتھوری جیسی اخلاقیات نافذ کرنے والی عورتیں ہیں جو فاحشہ عورتوں کو قتل کرکے ان کے خون میں نہاتی ہیں۔ لیکن کیا کسی نے ان افراد کے اعمال کی وجہ سے اُس مذہب کو، وہاں کے کلچر کو یا اُس ملک کو گالی دی۔ لیکن آپ کو یہ رواج اور یہ رسم صرف پاکستان میں ملے گی۔ کوئی ایک ایسی خبر پڑھ لیں، کوئی واقعہ ان لوگوں تک پہنچ جائے، آپ جملوں کی تکرار دیکھیے، یہ ہے ان کا اسلام، یہ ملک بنا ہی غلط تھا، یہ ملک نہیں رہ سکتا۔ اس سارے شدت پسند رویے کے باوجود یہ سب لوگ خود کو لبرل اور سیکولر کہلاتے ہیں۔ سیکولر کی جو عرف عام میں تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام مذاہب کا احترام کرتا ہے۔ لیکن آپ یہاں کے ان مخصوص لبرل کہلانے والے گروہوں میں بیٹھ کر دیکھیں، سب سے بے ضرر لوگ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں، یہ ان کے لوٹے، بستر، ٹخنوں سے اونچی شلوار اور ماتھے کے محراب تک کا اس طرح تمسخر اُڑاتے ہیں کہ نفرت کا لاوا اُبل اُبل کر سامنے آ رہا ہوتا ہے۔ لطیفوں کا ایک انبار ہے جو ان کی گفتگو میں نمایاں ہوتا ہے۔ کسی نے اپنے عقیدے کے مطابق ایک بے تراش بڑھی ہوئی داڑھی رکھ لی ہے تو یہ اُسے ایسی بے وقوفی اور احمقانہ پن سے تعبیر کرنے لگتے ہیں جیسے وہ شخص کوئی جانور ہے لیکن وہی داڑھی اگر فیڈرل کاسترو، کارل مارکس یا اینگلز رکھے یا آئن سٹائن اپنے بال بڑھائے تو اس میں اُنہیں حسن نظر آتا ہے۔ یورپ میں حشیش یا چرس پیتے ہپی انہیں انسانی دکھوں اور آلام سے تنگ آ کر ایک تصوراتی دنیا میں گم خوبصورت انسانوں کا گروہ لگتا ہے لیکن پاکستان کے ملنگ، درویش، سڑکوں پر عمر بسر کرنے والے لوگ کریہہ اور بدنما نظر آتے ہیں۔ ان ملنگوں میں سے اگر کسی سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو سارے ملنگوں کو کریمنل، چور، اُچکے اور اٹھائی گیرے کہنے لگتے ہیں۔ مغرب میں صرف امریکہ میں ہر دو منٹ میں ایک خاتون جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے، ہر سال ہزاروں عورتوں کو ان کے سابق شوہر یا بوائے فرینڈ بے وفائی کے نام پر قتل کرتے ہیں۔ وہاں ان سب کو ایک انفرادی فعل کے طور پر لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کاروکاری ہو یا جنسی تشدد، تبصرے کی تان آ کر اسلام اور پاکستان پر ٹوٹتی ہے۔

کیا یہ لبرل شدت پسند ہمارے معاشرے میں شروع سے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جس قدر تحمل، بردباری اور قوتِ برداشت پاکستان کے علمی، ادبی اور نظریاتی لوگوں میں تھی ان کی مثال ممکن نہ تھی۔ جوش ملیح آبادی منکرِ ذاتِ خدا تھے لیکن ان کی دوستی مولانا مودودی جیسے اسلامی انقلاب کے داعی سے تھی۔ میں نے خود اپنی جوانی اور خصوصاً طالب علمی کے زمانے میں جن لوگوں کے پاس بیٹھ کر دنیا بھر کے علوم پر گفتگو کی ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو کمیونسٹ اور دہریے تھے، لیکن نہ انہیں کبھی میرے نماز پڑھنے پر کوئی اعتراض ہوا اور نہ ہی مذہب سے میری جذباتی وابستگی کی وجہ سے تعلق میں کوئی فرق آیا۔ میں نے اپنی زندگی میں آفتاب مفتی جیسا صاحب علم کمیونسٹ اور نظریاتی طور پر دہریہ نہیں دیکھا۔ گجرات سے ہفت روزہ ''تازیانہ'' نکالا کرتا تھا۔ گھنٹوں اُس

> مغرب میں صرف امریکہ میں ہر دو منٹ میں ایک خاتون جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ وہاں ہر جرم ایک انفرادی فعل کے طور پر لیا جاتا ہے، لیکن یہاں کاروکاری ہو یا جنسی تشدد، تبصرے کی تان آ کر اسلام اور پاکستان پر ٹوٹتی ہے

کے گھر پر خدا کے وجود پر بحث ہوتی۔ لیکن سردیوں کے موسم میں وہ کوئلے کی انگیٹھی پر میرے لیے وضو کا پانی گرم کرتا کہ اُس کے گھر میں مجھے نماز پڑھنے میں تکلیف نہ ہو۔ اس قدر شدید کمیونسٹ تھا کہ ادھر لینن کا مجسمہ گرا اور ادھر وہ حرکت قلب بند ہونے پر فوت ہو گیا۔ لیکن بھٹو دور میں جب گجرات کے جماعت اسلامی کے دفتر کے سامنے پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے فائرنگ کی تو یہ کمیونسٹ سینہ سپر ہو گیا اور اس کی جس شدت سے پٹائی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھنے والوں میں کون تھا جو لبرل یا سیکولر نہیں تھا لیکن انہی لوگوں میں اشفاق احمد جیسے لوگ بھی اُسی احترام سے دیکھے جاتے اور سنے جاتے تھے۔ کوئٹہ سے جب بھی لاہور آیا تو ادیبوں، شاعروں کو کشور ناہید نے اپنے گھر کھانے پر جمع کیا، کیسے کیسے بڑے نام کہ جن کے ذکر سے ادب کی دنیا روشن ہے، لیکن کیا مجال کہ کسی عقیدے یا نظریے کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو۔ یہ وہ دور تھا جب ان لوگوں میں کوئی مصیبت کا شکار ہوتا تو نظریاتی وابستگی ایک طرف رہ جاتی اور انسانیت اور انسانی تعلق سب پر فوقیت حاصل کر جاتا۔ یہ سب لوگ انسان کا احترام کرتے تھے، اُس کی آزادیٔ رائے کا، اُس کے عقیدے کا، اُس کے لباس کا اور اُس کی تراش خراش کا بھی۔

لیکن آج کا لبرل اور سیکولر وہ ہے جس نے مشرف دور میں جنم لیا۔ جس نے یہ سیکھا ہے کہ کلچر کے نام پر اپنے نفسانی جذبات کو جتنی تسکین دے سکتے ہو دے لو۔ یہ بظاہر حقوق نسواں کے علمبردار ہوتے ہیں لیکن کسی فیشن شو یا کیٹ واک کے دوران ان کے عورتوں کے اعضاء پر تبصرے سنیں تو طبیعت متلانے لگتی ہے۔ ان کے نزدیک عورت وہاں صرف جنس بازار ہوتی ہے۔ ان کے سرخیلوں میں ایک ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے 1970ء کے الیکشن کے دوران ایک رقص کرتی عورت کے دھڑ پر ایک مشہور عالم دین کا چہرہ لگا کر چھاپا اور صحافت میں ''شرافت'' کا ایک نیا باب رقم کیا تھا۔ یہ ایک زمانے میں ٹی وی تبصروں اور سرکاری محفلوں میں کہتے تھے ان دہشت گردوں کا علاج یہ ہے کہ ان کے پیچھے سوادِ اعظم یعنی بریلوی مکتب فکر کے لوگوں کو لگا دو، ان کی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ اور اب ممتاز قادری کے حوالے سے اسی مکتب فکر پر تحفظات کا اظہار کر رہے ہیں۔ مشرف دور نے ہم سے اسی طرح لبرل لوگوں سے تحمل چھین کر تعصب کو جنم دیا ہے جس طرح ضیاء دور میں اسلامی انقلاب کے داعیوں کو متشدد بنا دیا گیا تھا۔ آپ پاکستان کے طول و عرض میں گھوم جائیں، آپ کو تحمل اور برداشت نظر نہیں آئے گی۔ اس لیے کہ مشرف دور نے ایسے لبرل رویے کو جنم دیا ہے جو جامعہ حفصہ میں مرنے والی عورتوں کی چیخیں نہیں سنتا، ڈرون حملوں میں مرنے والے ایک ہزار شہریوں کا قتل اُسے بے چین نہیں کرتا، کئی لاکھ بے گھر لوگ اُسے نظر نہیں آتے۔ لیکن اگر کہیں داڑھی والا کسی جرم میں پکڑا جائے تو فوراً کہہ اُٹھے گا، یہ ہے ان کا اسلام، یہ ملک ہی غلط بنا تھا، یہ اب ٹوٹ جائے گا۔ میرے ملک کا لبرل یا سیکولر نہ لبرل ہے اور نہ سیکولر بلکہ کسی اور سے نہیں صرف اسلام سے نفرت کرتا ہے اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا کہ اسے بدنام کرے۔ فیصلہ پنچائت کرے، گالی اسلام کو۔ قتل، چوری، بد دیانتی سیاستدان، بیوروکریٹ یا جرنیل کرے، گالی پاکستان بلکہ نظریۂ پاکستان کو۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 24 سال، تعلیم بی کام، برسر روزگار کے لیے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ دینی تحریکی گھرانے کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ:
0301-4686856-0306-7849411

☆ لاہور کی رہائشی راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 29 سال، تعلیم ایف اے، سرکاری ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔
برائے رابطہ: 0300-4885328

☆ مظفر آباد آزاد کشمیر کے لندن میں رہائش پذیر شخص، عمر 52 سال کو دوسری شادی کے لیے (پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اور بچے شادی شدہ ہیں) 37 تا 45 سال کی درمیانی عمر کی خاتون کا رشتہ درکار ہے۔ خاتون دینی مزاج کی حامل ہو اور معمولی انگریزی بولنا جانتی ہو۔ برائے رابطہ:
05822-212217,0347-5104857

رفقاء متوجہ ہوں

ندائے خلافت کے گزشتہ سے پیوستہ شمارہ میں جہلم میں ہونے والے مبتدی کورس کے شیڈول میں تبدیلی

ان شاء اللہ

''الحفیظ منزل بالمقابل راحت Treat بیکرز، مشین محلہ نمبر 2 جہلم'' میں

مبتدی تربیتی کورس

12 تا 18 / فروری 2011ء

(بروز ہفتہ نماز عصر تا بروز جمعہ نماز جمعہ)

اور

نقباء و امراء تربیتی و مشاورتی اجتماع

18 تا 20 / فروری 2011ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں، موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: ساجد سہیل 0301-5868300

المعلن: **مرکزی شعبہ تربیت** (042)36316638-36366638 0333-4311226

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

مقامی تناظیم کورنگی شرقی وغربی کے زیرِاہتمام نہی عن المنکر مہم

25 دسمبر 2010ء بروز ہفتہ کراچی جنوبی کی دو مقامی تناظیم یعنی کورنگی شرقی اور کورنگی غربی کے زیرِاہتمام کورنگی کراسنگ پر ''نہی عن المنکر مہم'' کے حوالے سے ایک پروگرام ہوا۔ قبل ازیں پروگرام کی اطلاع نقباء کے ذریعے رفقاء تک پہنچائی گئی اور سہ پہر 4 بجے رفقاء کو کورنگی غربی کے آفس میں پہنچنے کا کہا گیا۔ الحمد للہ، دونوں تناظیم کے اکثر رفقاء مقررہ وقت پر آفس میں موجود تھے۔ کورنگی شرقی کے رفقاء کی قیادت جناب قیصر علی نے کی جبکہ کورنگی غربی کی قیادت جناب سعید الرحمان کررہے تھے۔ سوا چار بجے جناب سعید الرحمان نے رفقاء کو خوش آمدید کہا اور کچھ مختصر گفتگو کی۔ اس کے بعد جناب قیصر علی نے آداب کے حوالے سے تذکیری گفتگو فرمائی اور ضروری ہدایات دیں۔ بعدازاں تمام رفقاء نمازِ عصر کی ادائیگی کے لئے قریبی مسجد گئے۔ نماز کے بعد کچھ رفقاء کو پلے کارڈ تھمائے گئے جبکہ کچھ کو دعوتی لٹریچر تقسیم کرنے کے لیے دیا گیا، اور تمام رفقاء ایک قطار میں قریبی بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب قیصر علی نے رفقاء کی جگہیں متعین کیں، جہاں انہیں پلے کارڈ لے کر کھڑا ہونا تھا۔ جبکہ کچھ رفقاء دوکانوں اور اسٹالز پر ہینڈ بل اور دعوتی لٹریچر کی تقسیم میں مشغول ہوگئے۔ کچھ رفقاء کو مرکزی سڑک پر کھڑا کیا گیا۔ نماز مغرب سے کچھ وقت قبل تمام رفقاء کو مرکزی سڑک پر قطار بنانے کا کہا گیا۔ تمام رفقاء نے نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا۔ رفقاء نے نمازِ مغرب قریبی مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد رفقاء کے لئے تنظیم کے آفس میں چائے کا اہتمام ہوا۔ اس مظاہرے میں کورنگی شرقی سے 14 رفقاء جبکہ کورنگی غربی سے 19 رفقاء نے شرکت کی۔ دُعا پر مظاہرے کا اختتام ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں دین پر استقامت عطا فرمائے اور مزید کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین (مرتب: ابرار حسین)

حلقہ مالاکنڈ کے تحت تعارفی اجتماع

تنظیم اسلامی میں شامل ہونے والے افراد کے لیے سب سے پہلے ایک تعارفی اجتماع کا انعقاد کیا جاتا ہے، تاکہ تنظیمی وفکری پختگی پیدا ہو۔ اسی سلسلہ میں حلقہ مالاکنڈ میں ایسے رفقاء کے لیے 25 دسمبر بروز ہفتہ صبح 9 بجے ایک تعارفی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس پروگرام میں رفقاء کے ساتھ ساتھ ذمہ داران نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعدازاں باہمی تعارف ہوا۔ اس کے بعد جناب شاکر اللہ نے بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کا مفصل تعارف کرایا۔ نبی محسن نے فرائض دینی کا جامع تصور کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ ان فرائض کی ادائیگی کے لیے ہم نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر یہ کام نہیں ہوسکتا۔ ممتاز بخت نے جماعت کی ضرورت واہمیت پر گفتگو کی۔ انہوں نے دستوری بنیاد پر اور مسنون بیعت کے تحت بننے والی جماعتوں کا فرق بھی واضح کیا۔ فیض الرحمٰن نے تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ بیان کرتے ہوئے امیر و مامور کا تعلق واضح کیا۔ انہوں نے یہ بتایا کہ تنظیم میں امیر کی اطاعت کا نظام کس طرح کام کرتا ہے، مشاورت اور فیصلہ کیسے ہوتا ہے۔ انہوں نے تنظیم اسلامی کے رفیق کے مطلوبہ اوصاف اور ذمہ داریوں کی بھی وضاحت کی۔ راقم نے بھی تنظیمی ڈھانچہ پیش کیا۔ دن ایک بجے کھانے کے وقفے کے بعد یہ اجتماع پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہماری جان ومال اپنی راہ میں قبول فرمائے۔

(مرتب: احسان الودود)

حلقہ پوٹھوہار گوجرخان کے زیرِاہتمام تعارفی اجتماع

23 جنوری 2011ء صبح دس بجے دفتر حلقہ پنجاب پوٹھوہار میں تنظیم میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کے ساتھ تعارفی نشست منعقد کی گئی۔ جس میں آٹھ نئے رفقاء نے شرکت کی۔

تعارف تنظیم اور تعارف بانیٔ تنظیم وامیر تنظیم کی ذمہ داری پروفیسر حافظ ندیم مجید اور ناظم حلقہ مشتاق حسین نے ادا کی۔ شرکاء کو بتایا گیا کہ 1957ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مولانا غفار حسن اور مولانا امین احسن اصلاحی اور بعض دیگر ساتھیوں کے ساتھ جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کی اور بزرگ رفقاء کی طرف دیکھتے رہے کہ شاید اُن میں سے کوئی نئی تنظیم کی بنیاد رکھے۔ مگر جب اس کام کے لیے کسی طرف سے پیش قدمی نہ ہوئی، تو 1965 میں وہ لاہور آگئے اور یہاں تنظیم سازی کے لیے جدوجہد شروع کردی۔ کچھ پرانے رفقاء نے بھی اُن کا ساتھ دیا، لیکن بات قراردادِ تاسیس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ جب 1971ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے حج کے موقع پر مصمم ارادہ کرلیا کہ اللہ کے فضل سے تنظیم قائم کرنا ہے۔ 1972ء میں انہوں نے انجمن خدام القرآن کی بنیاد رکھی اور 1975ء میں تنظیم اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ 2002ء میں ڈاکٹر صاحب نے طویل مشاورت کے بعد تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری نائب امیر حافظ عاکف سعید کے سپرد کردی، اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور آخر دم تک اُن کی بھرپور معاونت اور رہنمائی فرماتے رہے۔ امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب 1958ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ 1975ء تا 1977ء گریجویشن مکمل کی۔ اِس دوران قرآن پاک حفظ کیا۔ 1980ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے فلسفہ کیا۔ قرآن اکیڈمی میں تین سالہ دینی کورس کیا۔ آپ 1975ء کے تاسیسی اجلاس میں شامل تھے۔ آپ ماہنامہ میثاق، حکمت قرآن، اکیڈمک ونگ اور ندائے خلافت کے 1983ء سے 1995ء تک مدیر رہے۔ 1990ء میں آپ تنظیم اسلامی کے ناظم نشرواشاعت مقرر ہوئے۔ 1999ء میں نائب امیر کی ذمہ داری ادا کی۔ 2002ء میں امیر چنے گئے۔

فاروق حسین نے دینی فرائض کے جامع تصور پر گفتگو کی۔ انہوں نے اِسے تین منزلہ عمارت کی مثال سے واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سب سے پہلی ذمہ داری خود اللہ کا بندہ بننا ہے۔ دوسری ذمہ داری لوگوں تک دین پہنچانا اور دعوت دینا ہے۔ اور تیسری ذمہ داری دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہے۔ پروفیسر حافظ ندیم مجید نے جماعت اور بیعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسلام نے جماعت کو بہت اہمیت دی ہے۔ ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں جماعت کا تصور نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح سفر میں بھی ایک شخص کو امیر بنانے کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔ نعیم اکرم نے وائٹ بورڈ کی مدد سے زنجیر کی شکل میں تنظیمی ڈھانچے کی وضاحت کی۔ محمد اشرف نے احتسابی یادداشت بک سے ایک رفیق کی ذمہ داریاں بیان کیں۔

آخر میں ناظمِ حلقہ نے شرکاء کے سوالوں کے جوابات دیئے۔ نئے شامل ہونے والے رفقاء میں خود احتسابی یادداشت کتاب تقسیم کی گئیں اور آخر میں انہیں کھانا پیش کیا گیا۔ ایک بجے یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ: رفیق تنظیم اسلامی)

☆☆☆

mushroomed at ever-higher rates and continue to thrive and multiply in all 57 Muslim states which now constitute the traditional lands of Islam. These institutions teach a curriculum based on a worldview other than that of Islam, they use pedagogy which is not rooted in Islam, and their content has no resonance to what great thinkers of Islam have left behind.

In order to reverse the global imbalance of production of knowledge --- and consequently current military, political, economic, cultural, and social imbalance --- Muslims need to revamp their educational system. This cannot be done by sprinkling Islam on thoroughly secular curricula. The entire system of education, including what is taught, how teaching takes place, and the environment in which learning takes place, has to be redesigned on the basis of a philosophy of education gleaned from the Quran and the Sunnah, the two primary sources of Islam, and anchored in solid scholarship.

This effort is not easy. It requires, first of all, a tremendous intellectual jihad which will furnish fundamental principles that can be applied to specific areas of education --- from pedagogy to a curriculum design to outcomes. It also needs resources and, finally, it needs pilot institutions where the new model can be tested. Once proven to be better than the existing models, such a system of education will automatically receive warm welcome all over the world.

Given the current political, economic, and social conditions of the traditional lands of Islam, this intellectual jihad is almost impossible anywhere in the Muslim world.

There is not a single country in the world where the top leadership (in the political, social, and cultural economic strata) shows any willingness to even start thinking about this change. Rather, this stratum of the Muslim society, which makes all the important decisions, is quickly turning the Muslim world into an educational colony of the Western educational system, as scores of franchised educational institutions are popping up in these countries, which are aping American or British institutions.

There is, however, a silver lining to this gloomy scenario. A new awareness is spreading amongst Muslims living in North America and Europe which has the possibility of furnishing a new model of education, if it is pursued with vigour and critical control. There are groups of men and women (parents, home-schoolers, educators, thinkers), who have realized the power of education and the deadly consequences of the secularization of the Muslim mind. They are keen to re-establish links with the spiritual, intellectual, social and cultural traditions of Islam and find ways to develop a new system of education which will be adequate for the challenges of our times, and train Muslim children to leadership positions in a world dominated by secularism.

[*Courtesy: daily "The News"*]

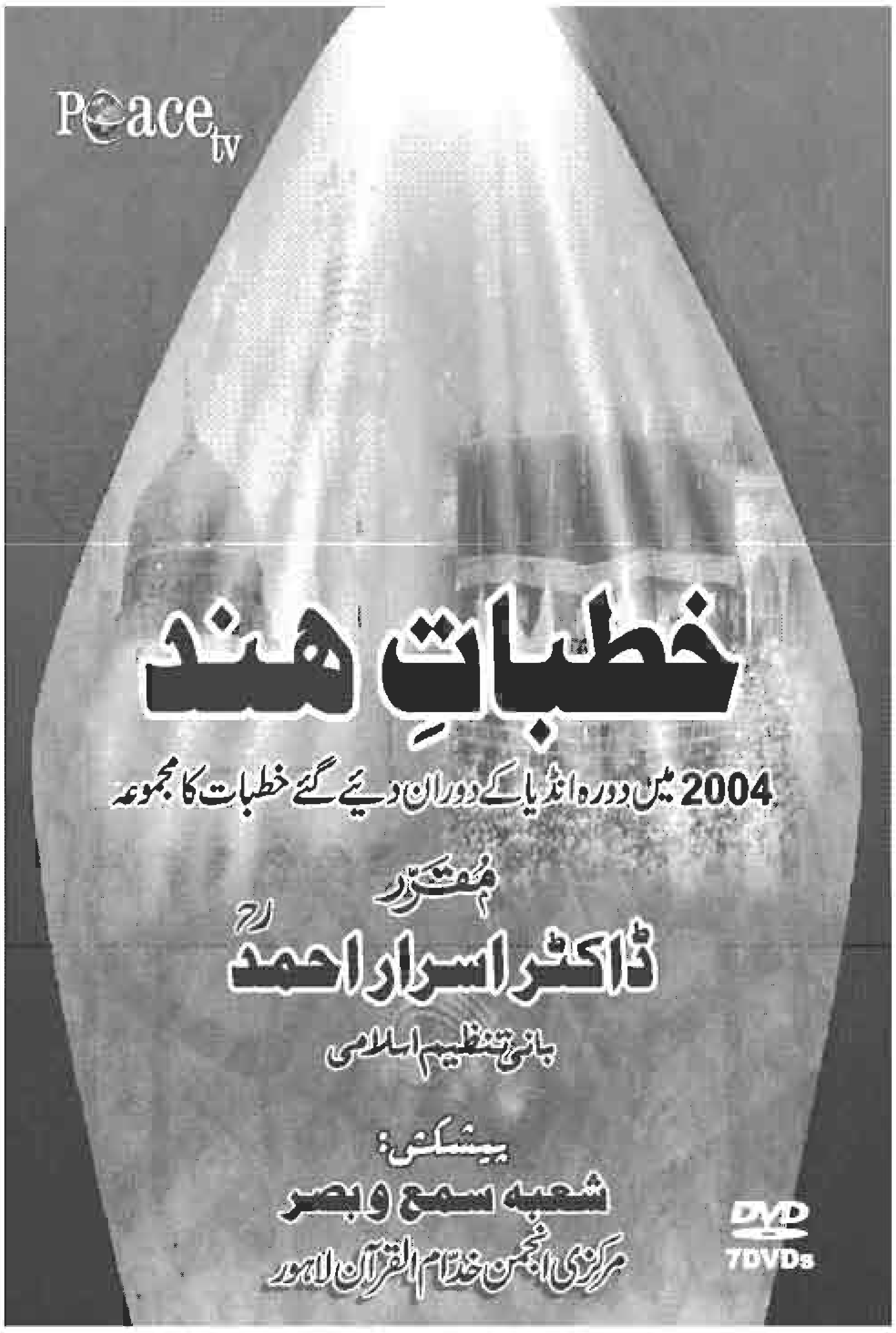

Dr. Muzaffar Iqbal

FROM MUSLIM TO ISLAMIC SCHOOLS

It may not be an exaggeration that the greatest challenge faced by Muslims all over the world is that of education. This challenge arose from a failure of the Muslim educational system in the 16th and the 17th centuries, which resulted in a historic watershed. Muslims lagged behind Europe in production of knowledge, and this ultimately led to a shift in the global balance of power. This shift took place at a time when European educational institutions were becoming powerhouses of new knowledge based on modern science. This situation soon enabled Europeans to conquer most of the known world, including almost all lands where Muslims had then lived for centuries.

The Muslim resistance to this conquest, heroic as it was in some cases, was simply doomed because there was no possibility for swords to come close to the hands which held rapid-firing weapons. The two World Wars after the conquest of the Muslim world condemned hundreds of thousands of Muslims to being slaughtered on battlefronts which were not of their own choosing. These Great Wars also produced successive generations of weapons, each being more deadly than the previous one. By the time Muslims woke up to the realities of the post-World War II situation, the entire map of the world had been redrawn.

At the heart of this reconfiguration of the world was an educational system which successfully wedded modern science with the corporate world, on the one hand, and the state, on the other. Knowledge production thus became handmaiden to the worldwide rise of the Western world led by the United States of America after World War II. Universities, research laboratories and institutions like MIT served as propellers of a new world order created through sheer force.

There is no escape from the basic realities of our times: we are now living in a world where ideas, products, social, economic, and political currents, all flow in one direction: from West to East. This tidal wave originates in the educational system of the dominant civilization and spreads throughout the world. Compared to the powerhouses of knowledge, research, creativity, and vigour, the educational system in the Muslim world remains sluggish, drowsy, and even dormant; certainly, derivative and subordinate to what comes from the West. The mushrooming of Western-style schools during the last quarter-century has made matters worse, as we now have millions of young men and women who have emerged from schools which ape the Western educational system without ever coming close to the excellence of the original.

History cannot be denied. There is no doubt that the current situation arose because the Muslim educational system was at the lowest ebb of its vitality at the time of the conquest and colonization of the traditional lands of Islam. There is also very clear historical evidence that the resultant colonization and the subsequent implantation of the Western educational system further uprooted the Muslim mind from its spiritual, intellectual and historical ground. It is also clear from history that the political freedom regained in the middle of the 20th century did little to relocate the Muslim intellectual landscape; instead, the new institutions modeled on the European and American systems